خیالاتِ عزیز

یعنی

عالیجناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس مرحوم

معتمد عدالت و دیوانی سرکار آصفیہ نظام دکن آنریری سکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ

کے

علمی ادبی۔ تاریخی۔ اور ملکی مضامین

معہ دیباچہ

عالیجناب نواب وقار الملک صاحب بہادر سکرٹری محمدن اینگلو اورینٹل کالج علیگڈھ

مرتبہ

منشی دیا نرائن نگم۔ بی۔ اے۔ ایڈیٹر زمانہ

مطبوعہ زمانہ پریس کانپور

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فہرست مضامین

سرورق تصویر جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔



مولوی محمد عزیز مرزا - بی اے - ایم آر اے ایس

دیباچہ

ملکی معاملات اور سرکاری عہدہ کی ذمہ داریاں ایسی چیزیں ہین جنکو اعلی لٹریچر اور ادبی کمالات کے ساتھ ایک ضد سی واقع ہوئی ہی۔ اور اسمین شک بھی نہین کہ شاعرانہ خیال آفرینی کے ساتھ عملی اور کاروباری دُنیا کو مساعدت نہین ہو سکتی۔ بیشک دُنیا مین ایسے لوگ گذرے ہین جو معزز عہدہ داران سلطنت ہونیکے ساتھ اعلی پایہ کے ادیب لکچرار اور مصنف بھی تھے لیکن جب انکے حالات کا تتبع کیا جائیگا تو نظر آئیگا کہ یہ لوگ عموماً وہ ہوتے ہین جو معزز عہدہ ہائے سلطنت پر مقرر ہونے یا کاروباری دُنیا مین پڑنے سے پہلے بھی لٹریری کمالات حاصل کر لیتے ہین بلکہ اگر اُنکے واقعات زندگی پر زیادہ غور سے نظر ڈالی جائے تو یہ نظر آئیگا کہ اعلی خدمات کی ذمہ داریان ہاتھ مین لینے کے بعد ان کی ادبی و لٹریری ذوق کو کسی نہ کسی حد تک نقصان پہونچ جاتا ہی۔ مگر دُنیا مین ایسی نظیرین بہت کم ملین گی کہ کسی نے ملکی خدمات کی ذمہ داریان ہاتھ مین لینے اور اُنھین اعلی قابلیت سے بجا لانے کے ساتھ ہی ساتھ اپنے لٹریچر کو بھی ترقی دی ہو۔ اور دفتر کے ہجوم کار سے اتنی فرصت نکال لی ہو کہ اپنے ذوق کتاب بینی اور انشا پردازی کو قائم رکھے۔ لٹریچر مین ترقی کرتے کرتے کمال کا اعلی درجہ حاصل کرنے اور اُسکے ساتھ ایک اعلی درجہ کا عہدہ دار سلطنت ثابت ہو۔

ایسی ایک زندہ نظیر ہمین مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے کی ذات مین نظر آتی ہے جو اعلی مدبر سلطنت کی حیثیت سے شہرت و ناموری اور مقبولیت عامہ حاصل کرنیکے ساتھ ہی ساتھ یادو بیانی اور انشا پردازی کی حیثیت سے بھی مدارج کمال پر ترقی کرتے نظر آتے ہین۔ اسمین شک نہین کہ ایام طالبعلمی ہی سے اُنھین ادب اور لٹریچر کا ذوق تھا مگر اس ذوق نے اسوقت تک اُنھین اس فن کی طرف پوری توجہ کرنیکا کبھی موقع نہین دیا کالج سے نکلتے ہی وہ ریاست حیدرآباد کی

کئی ذمہ داریان اپنے سر لیتے اور خدمات سلطنت بجا لانے مین مصروف ہو گئے اور ان خدمات
کو ایسی محنت اور ایسی حسن خوبی سے بجا لائے کہ ریاست کی قدردانی نے اُنھین دوسرے
اعلیٰ سے اعلیٰ کامون مین مصروف رکھا جنمین اُن کو کامل حاصل ہوئی مگر باوجود ان ذمہ داریون کے ایسا
ایک عالم کی فکرین اپنے سر لیتے اور اُنھین شب و روز منہمک رہنے کے اُنھون نے اپنے لٹریری
مشاغل کو بھی قائم رکھا اور حیثیت ادیب و انشا پرداز کے بھی ایسے بلند رتبہ پر پہنچ گئے کہ آج انکا
شمار ملک کے مشہور و معروف جادو نگارون مین ہے - اور اصل تو یہ ہے کہ اُن کو جو کامیابیان سلطنت
دکن کے کامون مین ہوئین اُنمین اُنکی لٹریری قابلیت کا بہت دخل تھا اور یہ ہمیشہ ہوتا ہے انسان
کے لئے عمدہ ادیب ہونا ایسا ایک جوہر ہے کہ خواہ کسی کام مین مصروف ہو وہ جوہر اُسکی ہمیشہ مدد
دیتا ہے ایک عمدہ سے عمدہ سپہ سالار فتح اگر اپنی کامیابی کی رپورٹ اعلیٰ ترین لٹریچر مین پیش کرتا
ہے دُنیا پر اپنی بہادری اور قابلیت کا سکہ بٹھلا دیتا ہے جو افسر سلطنت کے انتظامی محکمون کا کام
کرتے ہین اُنکی کامیابی کا راز بہت کچھ اُن کے اعلیٰ ترین لٹریری قابلیتون مین مخفی ہوتا ہے -

مولوی محمد عزیز مرزا صاحب ۱۸۶۵ء مین پیدا ہوئے اور جب ۱۸۷۵ء مین سر سید مرحوم
نے علیگڈھ کالج قائم فرمایا ہے اور اُسمین پہلا گروہ طلبا داخل ہوا ہے تو اُسمین مولوی صاحب بھی تھے
جنکی عمر اُسوقت دس برس کی تھی - اِس طالب علمی کی زندگی مین استقلال اور پورے شوق
سے محنت کرکے ۱۸۸۴ء مین اُنھون نے بی اے کی ڈگری اس نمایان کامیابی کے ساتھ حاصل
کی کہ وہی پہلے مسلمان تھے جنھون نے ایک ساتھ دو سبجکٹون انگلش لٹریچر اور تاریخ مین آنرز
کا درجہ حاصل کیا - اور سر سید مرحوم کے لگائے ہوئے علمی چمن کے پہلے موسم گل کا ایک خوبصورت
و شاداب پھول ثابت ہوئے -

بی اے - ڈگری حاصل کر کے وہ حیدر آباد دکن چلے گئے - اور وہان پہونچتے ہی ریاست
کی ایک معزز خدمت پر مامور ہوئے اور نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم و مغفور کے زمانۂ وزارت
مین اُنھون نے سلطنت کے سکرٹریٹ ڈپارٹمنٹ مین ایسی عمدگی اور قابلیت اور راز داری کے ساتھ اپنی
خدمات کو انجام دیا کہ سواے بعض اعلیٰ اراکین سلطنت کے کسی کو معلوم بھی نہو سکا کہ اُن سے کس
قسم کے اہم اور نازک خدمات متعلق ہین - ۱۸۹۱ء مین اپنی قابلیت و کارگزاری کے صلہ مین اسسٹنٹ
ہوم سکرٹری کے عہدہ پر مامور ہوئے - اِس خدمت کا چارج لئے ابھی تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا کہ
کورٹ آف وارڈز کا کام بھی آپ کے سپرد ہوا اور سرکار نے اُسکے معاوضہ مین تین سو روپیہ

ماہانہ آلاؤنس دینا چاہا۔ مگر آپنے یہ کہکر کہ یتیموں کے مال سے مین اپنا پیٹ بھرنا نہین چاہتا"
اُسکے لینے سے قطعًا انکار کر دیا۔ لیکن احتیاط و بے نفسی کا صلہ چند ہی روز بعد یون ملا کہ ریاست
نے قدردانی کی اور ۱۸۹۵ء مین فرسٹ اسسٹنٹ ہوم سکرٹری کی عہدہ پر ممتاز ہوئے۔
اِس خدمت کو بجا لاتے ایک ہی سال ہوا تھا کہ ۱۸۹۶ء مین خود ہوم سکرٹری کی معزز کرسی پر
جلوہ افروز ہوگئے۔ اور انتظامات ریاست کا ایک بہت بڑا حصّہ آپ کے ہاتھ مین تھا۔ اُن
دنون نواب سر وقار الاُمرا بہادر مدار المہام ریاست تھے اور اُن کو مولوی محمد عزیز مرزا صاحب
پر اسقدر اطمینان تھا کہ ریاست کے بہت کم کام تھے جو بغیر اُنکے مشورہ کے حل مین آتے ہون
اس زمانے مین تقریبًا ہر ایک صیغہ مین اُنھون نے اصلاحین کین مگر غالبًا بیان اُنکا ذکر
بے موقع ہوگا۔ مصنفین کی مدد بھی اُنھون نے ہمیشہ اپنے اوپر لازم سمجھی اور اُن کو اپنی
تصانیف کے شائع کرنے مین بیش قرار امداد دلاتی رہے۔
مشہور عام کتاب یوزالف وبلوہر کا ترجمہ اُنھین کی سرپرستی سے ہوا اور جرجی زیدان کی
کتاب صناجۃ الطرب کا ترجمہ بھی جو عرب کے حالات اور رسم و رواج کے بیان مین بےنظیر
کتاب ہے اُنھین نے کرایا۔ چونکہ اُصول قانون پر کوئی عمدہ کتاب موجود نہین تھی اس لیئے
رٹین گن کی کتاب جورسپروڈنس کا اُردو ترجمہ کرایا اور اُس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابون
کی تالیف و اشاعت کے باعث ہوئے۔
نواب سر وقار الاُمرا بہادر کی علیحدگی کے بعد جب مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر نے مدار المہامی
کی باگ اپنے ہاتھ مین لی اور اپنے لیئے نیا اسٹاف منتخب فرمایا تو مولوی محمد عزیز مرزا صاحب
۱۹۰۱ء مین ضلع بیڑ کی تعلقداری (ڈپٹی کمشنری) پر بھیج دیئے گئے۔ مولوی صاحب موصوف
اس سے پہلے کبھی محکمۂ مال کے عہدون پر نہین مامور ہوئے تھے۔ اور یہ صیغہ اُن کے لیئے
بالکل نیا تھا۔ مگر فورًا جاکر چارج لے لیا اور ایسی مصروفیت اور محنت سے کام شروع کیا کہ
چند ہی مہینون مین ایک اعلیٰ درجہ کے حاکم ضلع تسلیم کر لیئے گئے۔ باوجود اس خدمت پر نئے
ہونے کے مولوی صاحب نے جیسی مستعدی سے کام کیا اُسکا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ جب
اسی خدمت کا چارج لیا ہے تو وہان ۵۰۰۰ مثلین ملتوی پڑی ہوئی تھین جنکا چند ہی روز مین
اُنھون نے تصفیہ کر دیا۔ بیڑ مین ایک خاص مذہبی عمارت کے متعلق ہندو مسلمانون مین
جھگڑا چلا آتا تھا جو کسی طرح طے ہونیکو نہین آتا تھا اور اُسکے انفصال مین بڑی بڑی کوششین

ناکام ہو چکی تھین۔ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نے وہان پہونچتے ہی ایسی حکمت عملی سے کام لیا کہ دونون فریق راضی رہے اور نہایت ہی شائستگی کے ساتھ تصفیہ ہو گیا اور اُس وقت سے آجتک پھر وہان ہندو مسلمانون مین کوئی صورت ملال نہین پیدا ہوئی۔

بیڑ کا ضلع ایک پہاڑی ضلع ہے اور ریلوے لائن سے بہت دور جسکی وجہ سے ہمیشہ بدامنی رہا کرتی تھی۔ اور ترقی و تمدن مین یہ ضلع سارے ضلعون سے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ بیڑ مین بھیلو کی کثیر آبادی ہے جو ایک سخت جنگجو اور جرائم پیشہ فرقہ ہے انکی وجہ سے ڈاکوؤن کے گروہ وہان ہمیشہ موجود رہا کرتے اور تاخت تاراج کا بازار ہمیشہ گرم رہتا۔ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نے ایسا اچھا انتظام کیا اور ایسی نتیجہ خیز تدابیر عمل مین لائے کہ انکے پہونچتے ہی بیڑ کی آفتین دور ہو گئین۔ ملک مین امن و امان قائم ہو گیا اور اگر اس قسم کا ایک آدھ گروہ فتنہ پردازی کے لیئے قائم بھی ہوا تو دس پندرہ ہی دن کے اندر اُسکا استیصال کر دیا گیا۔

بدنصیبی سے اسی زمانے مین بیڑ مین پلیگ کی شدت ہوئی۔ بیڑ سے ملا ہوا بمبئی پریسیڈنسی کا ضلع احمد نگر ہے۔ وہان جب طاعون کا زور ہوا تو رعایا بھاگ بھاگ کر ضلع بیڑ مین آئی اور طاعون بڑی قوت کے ساتھ سارے ضلع مین پھیل گیا اسکا انتظام اور رعایا کا راضی رکھنا نہایت ہی دشوار اور قریباً قریباً غیر ممکن تھا مگر مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نے اس خوبی سے انتظام کیا کہ رعایا خوشی کے ساتھ ہر انتظام مین مدد دیتی تھی چنانچہ یہی اسباب تھے کہ پلیگ کے متعلق تمام کارروائیان نہایت خوبی سے انجام پا گئین اسی سلسلے مین ایک سال قحط پڑا اور اسکا انتظام بھی بہت خوش اسلوبی کے ساتھ ہو گیا۔

بیڑ مین تمدن کے بڑھانیکی طرف مولوی صاحب کی توجہ ہوئی تو وہان ایک پختہ سرائے تعمیر کرائی اور غربا کے ساتھ معزز لوگون کے ٹھہرنیکے لیئے بھی مناسب اور قابل اطمینان انتظام کیا۔ ایک صنعت و حرفت کا مدرسہ قائم کیا۔ ایک کلب کھولا تاکہ لوگون مین میل جول اور سوسائٹی کا مذاق پیدا ہو۔ پھر ایک پبلک کتب خانہ کی بنیاد ڈالی اور تعلیمی مذاق کے پھیلانے مین کوئی کوشش نہ تھی جو اُٹھا رکھی ہو۔ وہان کے بعض مسلمان لڑکون کو علیگڈھ کالج مین بھجوایا الغرض ضلع بیڑ کو جو اس سے پہلے گویا دُنیا سے الگ اور موجودہ ترقیون سے محروم تھا آجکل کے مذاق سے آشنا کر دیا۔ اور وہان ہر قسم کی ترقیون کا سامان فراہم ہو گیا۔ اور صوبہ کے اعلی افسر نے اپنی ایک رپورٹ مین تحریر فرمایا کہ اس ضلع سے بہتر کہین کا انتظام نہین ہے۔ بیڑ مین لوکل

کی عہد کا ایک واقعہ ہمیشہ یادگار رہیگا۔ ایک قتل کے مقدمے مین ہائیکورٹ نے رائے کے
بعد پیشگاہ حضور نظام خلد اللہ ملکہ سے دو شخصون کے قصاصاً قتل کئے جانیکا حکم صادر ہوا اور
مولوی صاحب اُن کو بغرض تعمیل حکم قتل گاہ مین لے گئے۔ وہان اُنمین سے ایک شخص نے
بیان کیا کہ مین نے تو بیشک ارتکاب جرم کیا ہے مگر دوسرا شخص محض بیگناہ ہے۔ مولوی صاحب
نے اس موقع پر جرأت کرکے دونون کے قتل کی کارروائی ملتوی کر دی اگرچہ اُن کے دوستون
اور دیگر عہدہ دارون نے بہت سمجھایا کہ حضور پُرنور کے حکم کی تعمیل کا ملتوی کرانا ہرگز مناسب
نہین ہے مگر اُنھون نے اسکی مطلق پرواہ نہ کی اور نہایت ہی جرأت کے ساتھ ہائیکورٹ مین
رپورٹ کی کہ دوبارہ تحقیقات کا حکم ہونا چاہیئے کیونکہ مثل سابق کے دیکھنے سے معلوم ہوا تھا
کہ تمام کارروائی نہایت بے احتیاطی سے ہوئی تھی۔ بالآخر ہائیکورٹ سے بمنظوری حضور پُرنور
دوبارہ تحقیقات کا حکم ہوا اور اُنمین سے ایک شخص بالکل بری ہوگیا جسکی برأت حیدرآباد
اور خاصتہ ضلع بیڑ مین عجب حیرت انگیز واقعہ خیال کی جاتی تھی۔

۱۹۰۵ء مین مولوی صاحب کا تبادلہ بیڑ کی تعلقداری سے ضلع ناندیر کی تعلقہ داری پر ہوا۔
جس سے کہ اُنکے سر پر کام کا ایک نیا بار پڑ گیا۔ اور یہان بھی اُنھون نے تین چار ہزار مثلین زیر
تجویز اور غیر منفصل پڑی پائین۔ اگرچہ انکا قیام دو ڈھائی مہینہ سے زیادہ نہین رہنے پایا مگر
اتنی ہی مدت مین بہت کچھ کام نکالدیا۔ اور وہان بھی اپنی کئی یادگارین چھوڑین۔ وہان کے
کلب کی توسیع کی۔ اسمین بلیرڈ روم بنوایا اور شہر سے اسٹیشن تک ایک بازار کی بنیاد قائم
کی جس کا پھیلاؤ ایک میل سے کم نہ تھا مگر یہ بنیاد پڑنے ہی پائی تھی کہ مولوی صاحب کو اعلیٰ حضرت
کے ساتھ ناندیر چھوڑنا پڑا۔

مولوی صاحب کے حیدرآباد سے جاتے وقت اُن کے حیدرآباد کے دوستون اور
وہان کی عام رعایا کو بالکل مایوسی ہوگئی تھی اور لوگون کو یہ امر مشکل نظر آتا تھا کہ مولوی صاحب
پھر حیدرآباد مین واپس آکے کسی معزز خدمت کو سرانجام دینگے۔ مگر حضور نظام کی قدردانی
نے ۱۹۰۶ء مین آپ کو پھر حیدرآباد مین ہائیکورٹ کی ججی پر بلایا اور آپکے دیدار سے آپ کے
دوست احباب بے انتہا محظوظ ہوئے ؎

در آمد آب رفتہ باز در جو

ہائیکورٹ کا کام بھی مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کے لئے نیا تھا اور بڑی ذمہ داری کا

کام تھا مگر محض اپنی قابلیت اور مستعدی وجانفشانی کی بدولت جائزہ لیتے ہی آپنے ایسی
لیاقت کا ثبوت دیا کہ سر فضل حسین صاحب چیف جسٹس ہائیکورٹ جنکی قانون دانی کی شہرت
تھی آپکے گرویدہ ہوگئے۔ اور آپکے کام پر سب ججون سے زیادہ بھروسہ کرنے لگے۔
ابتدا چند روز تک صیغہ اپیل مین کام کرتے رہے اور اسکے بعد صیغہ ابتدائی کا کام اپنے
ہاتھ مین لیا۔ اس صیغہ کا کام نہایت ابتری کی حالت مین پڑا ہوا تھا اور بیسیون اہم مقدمات سالہا سال
سے ملتوی ہوتے چلے آتے تھے۔ مولوی صاحب نے تھوڑے ہی عرصہ مین محنت کرکے اکثر مقدمات کا فیصلہ
بڑی لیاقت سے کردیا۔ اور ایسی پابندی وسرگرمی سے کام کرتے رہے کہ چھ ہی مہینے کے اندر عدالت
کا مرجوعہ بمقابلہ ازمنہ ماضیہ کے دونے سے زیادہ ہوگیا۔ کیونکہ یہ ایک مسلم امر ہے کہ جن عدالتون
مین کام جلدی اور قابل اطمینان ہوتا ہے انمین جدید مقدمات بہت رجوع ہونے لگتے ہین۔
ہائیکورٹ کی ججی پر ایک ہی سال رہے تھے کہ اعلیحضرت حضور نظام کی قدردانی سے پھر
اپنے قدیم عہدہ یعنی ہوم سکرٹری کے خدمت پر مامور ہوئے جبکہ موقع پاکر آپنے اپنے صیغہ
تعلیمات اور صیغہ عدالت مین بہت سی اصلاحین کین۔ پنجاب یونیورسٹی نے مدرسہ
دارالعلوم حیدرآباد کو اپنے سے جدا کرکے دارالعلوم کے نصاب تعلیم اور اسکے امتحانات مین
دشواریان پیدا کردی تھین۔ مولوی صاحب نے علوم شرقیہ کی تعلیم کا ایک نصاب سرکاری طور
پر شمس العلما مولانا شبلی نعمانی سے مرتب کرایا اور اسپر غور کرنیکے لیئے ایک ایسی زبردست
کمیٹی قائم کی جسمین ہندوستان کے منتخب صاحبان علم وفضل شریک تھے اور طے ہوگیا
تھا کہ مدرسہ دارالعلوم کی حیثیت اعلی درجے کی مشرقی یونیورسٹی کی بنادی جائے اور ہندوستان
کے تمام مشرقی مدارس اس سے انی لیٹ کرلئے جائین۔

ان دنون حیدرآباد کے سوسائٹی مین سب سے زیادہ وقعت آپ ہی کی تھی چنانچہ
نظام کلب کے پریسیڈنٹ ہوئے اور ینگ مین امپرومنٹ سوسائٹی کے میر مجلس۔ کمیٹی کتب خانہ
آصفیہ ایجوکیشنل بورڈ کمیٹی انتظام انجمن دائرۃ المعارف کے پریسیڈنٹ بھی آپ ہی تھے
کوئی جلسہ بھی جسکی غرض رفاہ عام ہو ایسا نہوتا تھا جسکے آپ پریسیڈنٹ نہوتے ہون آپکے
اس زمانے کے مستعدی کی ایک ہمیشہ زندہ یادگار رہنے والی برکت یہ ہے کہ مسلمانون کے متعلق
وسیع علمی ذخیرے جرمن اور فرنچ زبانون مین کثرت سے موجود ہین لیکن چونکہ انکے جاننے والے
ہندوستان مین معدوم ہین اسلیئے یہان کے لوگ ان سے فائدہ نہین اٹھا سکتے۔ اس کمی کو

افسوس کر گئے مولوی صاحب نے ایک خاص عملہ اسی کے لئے مقرر کرایا۔ اور ڈاکٹر نشی کانت خدمت مترجمی پر مقرر ہوئے۔ اُنھون نے فرنچ زبان کی کتاب ابن رشید و ابن مرشدین اور ڈوزی کی لاجواب تاریخ اسپین کا ترجمہ کیا۔

نشی کانت اسوقت تک مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کے جو حالات لکھے گئے ہین موصوف کے دنیوی عروج و ترقی اور حیثیت عہدہ دار سرکاری ناموری حاصل کرنے اور حسن کارگزاری کا کا ذکر ہوا ہے لیکن ابھی یہ بتانا باقی ہو کہ لٹریری دُنیا مین اُنھون نے کیونکر اور کسقدر ترقی کی۔ اور ملکی زبان پر اُن کے لٹریچر کا کیا اثر ہوا۔

یہ ہم بتا چکے ہین کہ ایام طالبعلمی ہی سے آپ کو اُردو انشا پردازی اور شعر و سخن سے لطف اُٹھانے کا چسکا تھا۔ اس زمانے مین جبکہ آپ یونیورسٹی کے کورس مین تیار ہو رہے تھے تھوڑا بہت وقت سخن سنجان ملک کے نغمہ سرائی سننے مین ضرور صرف کیا کرتے اور ملک کے مشہور جادو بیانو مین سے کوئی نہ تھا جس کے مضامین کا آپ دلچسپی کے ساتھ مطالعہ نکرتے ہون

حیدرآباد جانے کے بعد جب ذرا اطمینان ہوا تو وہ پرانا شوق پھر ظاہر ہوا جسکا آغاز یہ تھا کہ اپنا پرایویٹ کتب خانہ انگریزی اور فارسی و عربی و اُردو کی اعلیٰ درجہ کی کتابون اور تاریخون مکمل کرنا شروع کیا اور اسکے ساتھ کتب بینی شروع کی۔ آپ نے ابتدا ہی سے اپنی زندگی بہت باقاعدہ بنالی تھی۔ اور تمام کامون کے لئے اوقات معین کر لئے تھے۔ اس باقاعدگی نے وقت مین ایسی برکت پیدا کی کہ سارے کام آسانی کے ساتھ پورے ہو جاتے اور کتب بینی بھی کبھی ناغہ نہوتی۔ چند ہی روز مین آپ کی نظر نہایت وسیع ہو گئی۔ تاریخ کے عام واقعات خصوصًا اسلامی تاریخ مین بہت اچھی بصیرت حاصل ہو گئی۔ اور مغربی شعرا اور جادو نگارون مین سے کوئی نہ تھا جسکا لٹریچر نظر سے نہ گذر گیا ہو۔

اُسی زمانے مین نواب فتح نواز جنگ مولوی مہدی حسن مرحوم سفر انگلستان سے واپس آئے تھے اور اُنھون نے اپنا ایک سفرنامہ انگریزی مین مرتب کیا تھا۔ حیدرآباد کے عام پبلک کو خواہش ہوئی کہ وہ اُردو مین بھی شائع ہو۔ اس قومی خدمت کو مولوی صاحب نے اپنے ذمہ لیا۔ اور "گلگشت فرنگ" کے نام سے اُس سفرنامہ کا ترجمہ شائع کیا۔ جو مولوی صاحب کے لٹریچر کا پہلا نمونہ ہے۔ اور اُسکی خوبیون کا اندازہ وہی لوگ خوب کر سکتے ہین جنھون نے اُس سفرنامہ کی انگریزی و اُردو کا مقابلہ کرکے دیکھا ہے مگر زبان کی سلاست سادگی اور

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سمان انقلاب بنا نئے اُن کے سامنے پیش کیا اور تعلیم کا اہم کام جو آپنے اپنی زبردست کوشش
سے چھیڑا تھا نا تمام پڑا رہ گیا۔ حیدرآباد سے جس وقت مولوی محمد عزیز مرزا صاحب چلے ہین اسٹیشن
پر ہزارہا خلقت کا ہجوم تھا۔ اور کوئی نہ تھا جس کو ایسے قابل اور منصف مزاج اعلیٰ افسر کی علیحدگی
کا صدمہ نہو۔ وہان سے رخصت ہوتے ہی آپ علیگڈھ مین آکے سکونت پذیر ہوے تاکہ قومی
خدمت کرین۔ چنانچہ ان کے آتے ہی مجھے ان کی ذات مین ایک قوی بازو مل گیا۔

علی گڈھ مین آتے ہی آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ میری طرف سے علیگڈھ کالج کی چھبالہ رپورٹ
مرتب کی اور چونکہ کالج کے سنڈیکیٹ کے ممبر بھی مقرر ہو گئے تھے اسلیئے کل کالج کے انتظامی کامون مین
بڑا حصہ لینے لگے۔ لیکن علیگڈھ مین چند ہی روز قیام کرنے پائے تھے کہ تمام تعلیم یافتہ مسلمانون
کے تقاضے اور ہز ہائنس سر آغا خان بہادر بالقابہ کے اصرار سے آل انڈیا مسلم لیگ کے آنریری
سکرٹری کی معزز قومی خدمت انکو قبول کرنا پڑی۔ اور اسکے ساتھ لکھنؤ مین انکے قیام کرنا پڑا
کیونکہ آل انڈیا مسلم لیگ کا دفتر علیگڈھ سے لکھنؤ مین منتقل ہو آیا تھا۔

الغرض یکم مارچ سنہ ۱۹۱۰ء سے آپ لکھنؤ مین آکے مقیم ہوئے۔ اور سارے ہندوستان کا دورہ
کرکے ہر جگہ کے پراونشل لیگون مین مستعدی پیدا کردی۔ سنہ ۱۹۱۱ء مین آپنے بیس ہزار میل سے زیادہ
مسافت اپنی دورے مین طے کی آپ کو اپنے پبلک فرائض کا اس درجہ خیال ہو کہ گذشتہ سال
آپ بنگال پراونشل لیگ کی اصلاح کیلئے کلکتہ گئے۔ لکھنؤ سے روانگی کے دوسرے ہی دن آپکا ایک
لڑکا تپ محرقہ مین مبتلا ہوا اور گو بخار مین بہت زیادتی ہوئی اور زیست کی اُمید بھی باقی نہی مگر
اپنے فرض منصبی کے مقابلہ مین محبت پدری کو ہیچ سمجھا اور برابر تین ہفتہ تک کلکتہ مین مقیم رہے اور
کام سے فارغ ہونیکے بعد ہی لکھنؤ واپس آئے مگر خدا نے ایسا فضل کیا کہ تین مہینے کی سخت علالت
کے بعد لڑکا صحیح وتندرست ہو گیا۔

سنہ ۱۹۱۰ء مین ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس برھا مین ہوئے تھے وہان آپ نے صرف
کانفرنس کی شرکت ہی نہین کی بلکہ علیگڈھ سنڈیکیٹ کی ممبری تعلیمات کی حیثیت سے سارے
ملک برھا کا دورہ کیا جس دورہ مین کہ مجھکو بھی جناب ممدوح کے ساتھ رہنے کی عزت حاصل تھی
جناب ممدوح ہی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ برھا مین پراونشل لیگ اور بمقام مانڈلے ایک انجمن
بغرض ترجمہ کلام اللہ وکتب دینیات بزبان برہمی قائم ہوئی اس سال آل انڈیا اُردو کانفرنس
کا پہلا اجلاس بدایون مین ہوا تھا جسکی پریسیڈنٹی کی کرسی کو بھی مولوی صاحب ہی نے زینت دی تھی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

امرا کو بڑی بڑی جاگیرین دی گئی تھین لیکن اگر فوج کو دیکھو تو پتہ بھی نہین اور اگر کچھ
بھی تو اُسکی عجب حالت تھی۔ اگر کسی کے پاس زین ہے تو گھوڑا نہین۔ اور ہتھیار ہیں تو
لباس نہین۔ اکبر نے سب سے پہلے اپنی نظر اصلاح اسی طرف متوجہ کی اور سپاہیون کو
امراء کے دست حرص سے نکالکر علم شاہی کے سایہ مین لیا اور نقد تنخواہ مقرر کر کے
سپاہیون کی چہرہ نویسی اور گھوڑون کے داغ کے ذریعے سے اُن کو بدنیتی کے چنگل سے
آزاد کیا اور اس طور پر ایک کارآمد اسٹینڈنگ آرمی کی بنیاد ڈالی گویا اکبر ہی وہ
پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان مین قدیم فیوڈل سسٹم کو توڑکر شاہی قوت اقتدار
کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ دُنیا کے عظیم الشان فاتحون کی تاریخ مین بھی اکبر کو اپنی مہمون کی
کامیابی اور وسعت کے لحاظ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ لیکن جس چیز نے
کہ اصل اکبر کو اکبر بنایا وہ اُس کے جنگی کارنامے نہین ہین بلکہ وہ مادیات سے گذرکر
روحانیات تک پھیلی ہوئی ہے۔ اکبر نے ابتدا ہی مین مدرسۂ مصیبت مین ایسی تعلیم
نہ پائی تھی کہ وہ اپنے باپ کی تباہی اور کھڑے کھڑے ہندوستان سے نکالے جانے
اور دربدر خاک بسر مارے پھرنے سے نتیجہ خیز سبق نہ لیتا اور خواہ یہ صحیح ہو یا نہ ہو کہ
اُس کے باپ کو شاہ طہماسپ صفوی نے ہندوستان کی واپسی کے وقت دو نصیحتین
کی تھین۔ ایک تو یہ کہ افغانون کو تجارت مین لگائے۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان
کی دیسی قومون کو اپنا بنائے لیکن زمانے نے خود اُس کو بتا دیا تھا کہ اگر سلطنت کے
استحکام کی کوئی تدبیر ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ اُس کی بنیاد بجائے تلوار کی باریک
دھار کے رفاہ خلق اللہ کے ذریعے سے رعایا کے دلون مین رکھی جائے چنانچہ پہلے
ہی سال اُس نے ایک ایسا حکم دیا جو انگلستان کی موجودہ ترقی کا راز ہے مگر جو
صدیون تک ٹھوکرین کھانے کے بعد اُس کو معلوم ہوا ہے یعنی تجارت کو ہر قسم کے
محصولات سے جو اُس کی ترقی کے جارح تھے آزاد کر دیا اور گو ابتدا مین اُسکی کمسنی
اور بدبست وپائی کی وجہ سے اُسکا پوری طرح پر نفاذ نہ ہوسکا لیکن جب عنان حکومت
اُسکے ہاتھ مین آئی تو وہ اُسکو جاری کرکے رہا یہ تو وہ سلوک ہے جو اندرونی تجارت کے
ساتھ کیا گیا۔ بیرونی تجارت کی روک بعض سنگین محصولون سے ہوتی تھی جو میر بحری
یا سی کشمس کے نام سے مشہور تھے۔ اکبر نے اِن محاصل مین بھی اسقدر تخفیف کی

کہ وہ صرف برائے نام اڑہائی فیصدی روئے۔ اور اِس سے جیسا فائدہ کہ بیرونی تجارت کو پہونچا ہوگا وہ محتاج نہین ہے (اگرچہ برٹش گورنمنٹ کا اڑھنا بچھونا فری ٹریڈ یعنے آزادی تجارت ہی لیکن اِس زمانے مین بھی سی کسٹمس (محاصل بحری) کی شرح کہین اکبر کی مقررہ شرح سے زیادہ ہے) تمام دُنیا کے قانون کا یہ میلان رہا ہے ابتدا مین نہایت سخت سزائین چھوٹے چھوٹے جرائم کے لئے بھی تجویز کیجاتی ہین۔ لیکن جب تمدن مین ترقی اور قوم کی حالت اصلاح پذیر ہو جاتی ہے تو سزاؤن مین بھی نرمی ہوتی جاتی ہے۔ ہندوستان مین بھی قدیم سے بعض وحشیانہ سزاؤن کا رواج چلا آتا تھا مثلاً ہاتھ یا پاؤن کاٹنا یا اندھا کرنا وغیرہ لیکن اکبر کی روشن ضمیری نے سنہ جلوس مین اِن سزاؤن کو قطعًا موقوف کر دیا۔ قدیم زمانے مین یہ طریقہ تھا کہ جنگ مین جو جانباز قید ہوتے تھے وہ عمر بھر کے لئے آزادی کو خیرباد کہکر غلامی کا خلعت پاتے تھے۔ گو کہ سیاست کے لحاظ سے اسکا کیسا ہی اثر پڑتا ہو لیکن انسانیت کے اعتبار سے یہ طریقہ جسقدر بیرحمی و ظلم سے مملو ہے وہ محتاج تصریح نہین اور اِس لئے اکبر کے لئے یہ امر باعث فخر ہے کہ اُستے سنہ جلوس مین یہ قاعدہ بنا دیا کہ جو شخص جنگ مین قید ہو وہ غلام نہ بنایا جائے اور موجودہ غلامون سے بھی داغ غلامی اِس حد تک دھو دیا کہ اُن کے خاص حقوق قرار دیئے اور اُن کا نام بھی حیثیت کے ساتھ بدلکر چیلہ قرار دیا۔ اسی کے ساتھ غلامونکی عام خرید و فروخت کی بھی قطعًا ممانعت کر دی۔ اِس کے دوسرے سال جاتریون سے جو جابرانہ محصول لیا جاتا تھا اُس کو موقوف کیا اور یہ گویا کہ پہلی مرتبہ اِس امر کا اعلان تھا کہ ہر شخص اپنے معتقدات مذہبی کے لحاظ سے آزاد ہی اور اُن کے ادا کرنے مین کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہونی چاہیے۔ سنہ جلوس مین جو خیال کہ کسی قدر دبی زبان سے ظاہر کیا گیا تھا اگلے سال خوب ہی زور و شور سے اُسکا اعلان کیا گیا اور اکبر نے ایسا کام کیا جس نے فی الواقع حاکم و محکوم کی حیثیت سلطنت کے سامنے ایک کر دی۔ یعنی جزیہ معاف کیا۔ جزیہ در اصل ایسا پر رسوائی ٹیکس نہین ہی جیسا کہ یوروپین مصنفین نے سمجھا ہے بلکہ وہ مفتوح قومون سے فوجی خدمات سے مستثنٰے ہونے کی وجہ سے لیا جاتا تھا تاکہ جس طرح فاتح قوم امن عامہ کے قیام مین اپنی جان لڑاتی تھی اُسی طرح مفتوح قومین اپنے مال سے مدد کرین۔ اگر تاریخ ہندوستان کا غور

مطالعہ کیا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ ابتدا مین سرکار نے بہادر جو دیسی ریاستون مین بعض
فوجین امدادی یا کنٹنجنٹ کے نامون سے مقرر کرکے اِن کے اخراجات وصول کرتی
تھی وہ بھی ایک قسم کا جزیہ ہی تھا اور اِس زمانے مین بھی جو اخراجات فوجی یا
شہنشاہی کہلاتے ہین اور جنمین اہل ملک کا کوئی دخل یا قبضہ نہین ہوتا اُن پر بھی
خواہ کچھ ہی اُن کا نام رکھا جائے جزیہ کی تعریف صادق آسکتی ہے مسلمانون مین
قدیم سے کانس کرپشن کا طریقہ یعنے وقت پر ہر شخص فوجی خدمت انجام دینے پر مجبور رہو
جاری ہے اور اِس لیے اُس سے مستثنےٰ ہونے کا اختیار ایک بہت بڑا حق تھا
اور بصورت امکان غالبًا بہت سے مسلمان بھی اُس سے فائدہ اُٹھاتے لیکن
چونکہ اکبر کا منشاء فاتح و مفتوح کا فرق اُٹھا کر اپنی سلطنت کو گویا ہندوستان کی
قومی سلطنت بنانا تھا جس کی اصلی ترقی کے لئے ہندوؤنکی تیز ہوشی و جرأت و ہمت
کی بھی اُسی طرح ضرورت تھی جس طرح مسلمانون کی کاردانی اور شجاعت کی اور ملک کے
امن و امان کی حفاظت اور توسیع مین ہندو بھی اُسی طرح حصہ لینے کے مستحق تھے
جس طرح کہ مسلمان اس لئے جو امتیاز کہ جزیہ کے ذریعے سے فاتح و مفتوح مین قائم کیا گیا
تھا وہ در اصل باقی نرہا تھا اور جزیہ فی الحقیقت ایک جابرانہ ٹیکس ہوگیا تھا۔ اسلئے
اکبر نے اُس کو موقوف کرکے رعایا کے تمام طبقون کے مساوی ہونے کا اعلان کردیا
گو کہ اکبر نے کبھی ہماری فیاض گورنمنٹ کیطرح اِس امر کا اعلان نہین کیا کہ اُمور
سلطنت مین کوئی امتیاز خون یا رنگت یا مذہب کا روا نہ رکھا جائیگا لیکن عملی طور پر
وہ تقررات مین خواہ مُلکی ہون یا فوجی یا مالی۔ عبد اللہ اور رام داس مین کوئی فرق
نہ کرتا تھا یہانتک کہ کوئی منصب اور کوئی عہدہ ایسا نہ تھا جو ہندو مسلمان دونون
کے لئے یکسان کھلا ہوا نہ ہو اُسکی بے تعصبی کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے
کہ مان سنگھ کو خود صوبۂ کابل کی گورنری کا اعزاز بخشا جہان کی آبادی بالکل مسلمان
تھی۔ اسیطرح مہمات فوجی اگر خان خانان اور خان اعظم کے سپرد ہوتے۔ تھے تو
بھگوان داس اور مان سنگھ کا درجہ بھی اُنسے کم نہ رہتا تھا اور اگر معاملات ملکی و مالی
مین مظفر خان کے مشورے پر عمل کیا جاتا تھا تو ٹوڈرمل کی رائے اُس سے زیادہ
وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اسیطرح اگر فیضی و ابو الفضل دربار کی زینت تھے

تو بیربر بھی اکبر کے تاج کا ایک بہا جوہر تھا۔ یہی وہ چیز تھی کہ جس نے راجپوتون اور
برہمنون کو سلطنت کا اس درجہ خیر خواہ بنا دیا تھا کہ وہ اپنے باغی ہموطنون اور ہمہ
مذہبون کے مقابلے مین لڑنے اور جان دینے مین تامل نہ کرتے تھے۔ معلوم ہوتا
ہے کہ اکبر کو رات دن یہی فکر رہتی تھی کہ وہ ہندوستان کی مختلف قومونکو ایک
کرکے ایک زبردست قومی سلطنت قائم کرے اور اسی لئے اُس نے قدیم راجپوت
خاندانون سے رشتہ داری کی بُنیاد ڈالی کہ خاندان شاہی سے جو غائرت تھی وہ یگانگت
سے بدل جائے اور اسی غرض سے ۲۳ جلوس مین اُس نے عبادت خانہ فتحپور
سیکری مین اُن قابل یادگار مذہبی مناظرون کو قائم کیا جن مین ہر قوم و ہر مذہب کے
علما حصہ لیتے اور نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذاہب کے اصول کی تشریح کرتے
تھے۔ اِن مناظرون کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکبر جو زیور علم سے عاری تھا اُس بلند ہی خیال پر
پہونچگیا جو خاص فلاسفرون کا حصہ ہے اور جان سے ہر مذہب کے ابتدائی اصول
یکسان حقانیت کا رنگ لئے ہوئے آتے ہین۔ اِن کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ جو
لوگ شریک ہوئے تھے اُنمین وسعت نظر کی ترقی کی وجہ سے تعصب خواہ مخواہ کم ہوگیا
اُس زمانے مین مذہب اسلام کی بھی صدیون کی تقلید اور پیشوایان مذہب کی طبع
آزمائیون کی وجہ سے عجب کیفیت ہو رہی تھی۔ سادگی جو اسلام کے لئے مخصوص تھی
نام کو باقی نہ رہی تھی اور مذہب خارج از عقل اعتقادات اور بیجا توہمات و تقلیدی
تخیلات کا ایک مجموعہ ہوگیا تھا اور پیشوایان مذہب کی اُس سے بھی بدتر حالت تھی کہ
گو ریاکاری کا جامہ ہر وقت زیب بدن رہتا تھا لیکن جاہ طلبی کے پیچھے احکام مذہبی
کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے اور جیسا موقع ہوتا تھا ویسا ہی فتوی دینے کے لئے موجود
ہوجاتے تھے۔ اس کے متعلق مخدوم الملک اور صدر جہان کے کارنامے اور فتنہ سازی
قابل ملاحظہ ہین۔ انھین وجوہ سے اکبر کا ابتدائی جوش مذہبی جو اُسے اجمیر شریف کو
پاپیادہ لیجاتا اور یامعین کے وظیفے مین دن رات مصروف رکھتا تھا ٹھنڈا ہوتا گیا اور
وہ اس نتیجے کے نکالنے پر مجبور ہوا کہ تا وقتیکہ تقلید کے اس مضبوط جال سے
جس نے لوگون کے اذہان کو مقید کر رکھا ہے نجات نہ ملے کسی پائدار اصلاح
کی امید نہین ہوسکتی چنانچہ اُس نے ۲۴ جلوس مین علما سے اجتہاد کی

سند حاصل کی[1]۔ اور مذہب الٰہی کی بنیاد ڈالی جو تمام مروجہ مذاہب کے لوگون
کے لئے یکسان کھلا ہوا تھا۔ اس مین شک نہین کہ یہ کام ایک جاہل ترک کی قدرت
اور منصب سے بالا تھا اور اسی وجہ سے اس مین باوجود ابو الفضل و فیضی کی ذہانت
آرائیون کے جیسی کامیابی ہونی چاہئے تھی نہ ہوئی بلکہ کھیل تماشہ بنکر رہگیا لیکن اسکا
اتنا اثر ضرور ہوا کہ تعصب کی بلا جو اہل ملک کو باہمی اختلافات کی وجہ سے سر نہ اٹھانے
دیتی تھی یک لخت رفع ہوگئی اور تنگدلی کی جگہ وسعت خیال نے لوگون کے دلون
مین لی۔ گو وہ خود علم سے بے بہرہ تھا لیکن وہ بخوبی جانتا تھا کہ تعصب کی بنیاد
جہالت ہے اور اس کے رفع اور اقوام ماتحت پر ٹھیک طور پر حکومت کرنے کی
بہترین تدبیر یہ ہے کہ ان کے حالات و علوم سے زیادہ واقفیت حاصل کیجائے
اور اسی لحاظ سے اس نے خلفائے بغداد کی طرح ایک سررشتہ ترجمہ قائم کرکے
بیسیون سنسکرت کتابون کے ترجمے شائع کرائے۔ داڑھی منڈوانے۔ گائے
کے گوشت اور لہسن پیاز کے کھانے سے اجتناب کرنے اور غم کے موقعون پر بھدرا
کرانے کی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ حاکم و محکوم کے خیالات مین جو اختلاف ہے
وہ باقی نہ رہے۔ اکبر بخوبی جانتا تھا کہ وہ مسلمان تو ہے ہی اور اس لئے اگر اتحاد
یکجہتی قائم کرنے کے لیے اس کو ضرورت ہے تو ہندوؤن کی باتین اختیار کرنے کی
ہے۔ قومون اور مذاہب کے اختلافات رفع کرنے کے بعد اس نے ان اصلاحات
کی طرف توجہ کی جو جماعت انسانی کی ترقی کے لئے ضروری ہین۔ نظام معاشرت کا
دارومدار شادی بیاہ پر ہے اور ان کے متعلق آئے دن لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے رہتے
ہین جو خاندانون کو تباہ کر دیتے یا خود شوہر یا زوجہ کی زندگی خاک مین ملا دیتے ہین
یا اگر ابتداء مین کافی احتیاط نہ کی جائے تو انکا اثر موجودہ نسل سے لیکر آئندہ نسل تک
پہونچتا ہے۔ اکبر نے نہایت دور اندیشی سے قرار دیا کہ قریبی رشتہ دارون مین شادیان

[1] بعض انگریز مورخون مثل الفنسٹن و [illegible] مین نے اس محضر کو بہت بڑی چیز سمجھا ہے۔ مگر یہ
دراصل کوئی نئی بات نہ تھی خلفائے راشدین کے علاوہ خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کی امامت
معاملات مذہبی مین مسلم تھی اور اسی طرح ترکون مین شیخ الاسلام اب تک مجتہد کا مرتبہ رکھتے ہین اور نہ
اہل تشیع مین کوئی زمانہ ایسا نہین ہوتا جس مین چند مجتہد موجود نہ ہون۔

نہ ہوا کرین اور اسیطرح کسی کی شادی سن بلوغ کو پہونچنے سے پہلے یا اگر عورت کی عمر مرد سے بارہ سال زیادہ ہو نہوا کرے اور ایک سے زیادہ عورت کرنا بھی ناپسند ہے اور اُن امور کی نگرانی کی غرض سے یہ قاعدہ بنا دیا کہ تمام شادیون کا دخلہ دفاتر سرکاری مین رہا کرے - ہندوستان کی اعلیٰ قومون مین بیواؤن کے عقد ثانی کا رواج نہ ہونے سے نظام معاشرت مین جو خرابیان پڑتی ہین وہ محتاج بیان نہین ہین اور گو اس قسم کے امور مین قانونی مداخلت مناسب نہین ہوتی لیکن اکبر نے اِس کے متعلق بھی دور اندیشی سے ایک نہایت مفید قاعدہ بنا دیا اور وہ یہ کہ اگر کوئی بیوہ عقد ثانی کرنا چاہے تو اُس کا روکنا داخل جُرم ہوگا - اُنھین سے اکثر وہ اہم اصلاحین ہین جنکے لئے آجکل کے سوشل رفارمر زور دے رہے ہین مگر نقار خانے مین طوطی کی آواز کوئی نہین سُنتا ستی کی ظالمانہ اور قبیح رسم کے انسداد کا فخر بھی اکبر ہی کو حاصل ہے - اور وہ اپنے قوانین کا ایسا دلدادہ تھا کہ ایک مرتبہ جب راجہ جے مل مہم بنگالہ کے راستے مین بمقام چانسہ پہونچکر فوت ہوا اور اُسکے رشتہ دارون نے اُسکی رانی کو ستی ہونے پر مجبور کیا تو اکبر ایک طول طویل سفر کرکے خود جا پہونچا اور اُس کو اِس شرمناک فعل سے باز رکھا -

تعلیم چونکہ غذائے روح ہے اور قومی ترقی کا اُسپر دارومدار ہے اس لیے اکبر نے اِس طرف بھی پوری توجہ کی اور ایک مفید نصاب مقرر کرکے طریقہ تعلیم مین بھی ایسی مفید اصلاحین کین کہ بہ قول ابوالفضل کے جو باتین برسون مین نصیب ہوتی تھی وہ مہینون مین حاصل ہونے لگی - لوگون کی بداخلاقی کو محاصل آبکاری قائم کرکے بھی اُس نے اپنے خزانے کے بھرنے کا ذریعہ نہین بنایا - لیکن اُسی کے ساتھ بمقتضائے عین محتسب را درون خانہ چہ کار - یہ بھی تاکید کردی کہ اگر کوئی چھپ چھپا کر مسکرات کا استعمال کرے تو اُس سے مزاحمت بھی نہ کی جائے - اِس زمانے مین محاصل آبکاری اور مسکرات پر جس قسم کے اعتراضات ہمارے پولٹیکل رفارمر کیا کرتے ہین وہ محتاج تشریح نہین ہین اور نہ اِس امر کے بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ کس حد تک اکبر کے انتظام پر عائد ہو سکتے ہین - غلہ اور مویشی اور صنعت و حرفت کی ترقی کیلئے اُس نے یہ تدبیر اختیار کی کہ ہر ایک شے کی ترقی کا ایک ایک امیر کو ذمہ دار قرار دیا اور

قاضی کا کام تحقیقات۔ اور میر عدل کا فیصلے صادر کرتا تھا اور سب کی نگرانی
کے لیئے ایک اعلیٰ عہدہ دار بنام صدر جہان مقرر تھا۔ فرائض کی اِس تقسیم سے
ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف رسانی کا کام کیسی احتیاط سے ہوتا ہوگا اور لطف یہ ہے
کہ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بلا کسی خرچ کے عدالتہائے شاہی سے فیضیاب ہو سکتا تھا
کیونکہ اُس زمانے مین نہ کوئی قانون اسٹامپ تھا اور نہ گروہ وُکلا۔ محصولات
کے متعلق اکبر کی جو توجہ ابتدا سے تھی اُس کا ذکر پہلے ضمناً آچکا ہے۔ اُس نے
نہایت استقلال اور دانشمندی کے ساتھ اُن تمام محصولات کو قطعاً موقوف کر دیا
جو قومی ترقی مین ہارج یا لوگون کی دل آزاری کا موجب تھے اور جو محصول باقی
رکھے اُن کے متعلق بھی صاف وصریح قاعدے بنا دیئے۔ انتظام مالگزاری کے متعلق
بہت ضروری اُصول یہ ہین کہ اراضی زیر کاشت کا رقبہ معین ہو۔ لگان چند سال
کی اوسط پیداوار کے لحاظ سے بلحاظ اقسام اراضی ایسی معتدل شرح سے معین
کیا جائے جس مین بُری اور بھلی دونون قسم کی فصلون کا لحاظ رہے اور کاشتکارون
کو علاوہ اپنی مقبوضہ زمین کے اراضی اُفتادہ کے لینے کی ترغیب ہو۔ یہ اُصول
تو نفع سرکاری کے لحاظ سے ضروری ہین لیکن کاشتکارون کا فائدہ اسمین
ہے کہ زمین کے متعلق اُن کو حق مقابضت حاصل ہو کہ ترقی اراضی وکاشت
کی ترغیب ہو اور لگان کی شرح معین اور معلوم ہو کہ عمال کو زیادہ ستانے کا
کا موقع نہ ملے اور اِس قدر نرم ہو کہ اُس کو ہر سال کچھ پس انداز ہوتا رہے تاکہ
بصورت خرابی فصل بسر اوقات بہ آسانی ہو سکے۔ یہی اُصول تھے جن پر ٹوڈرمل
اور مظفر خان کا بندوبست مالگزاری مبنی تھا اور وہی اِسوقت تک ابھی قوانین
مالگزاری کی بُنیاد ہین۔ ضلع کا حاکم مال عامل گزار کہلاتا تھا جس کو وصول مالگزاری
کے متعلق بلحاظ حالات فصول وسیع اختیار ہوتے تھے اور صوبہ کا گورنر سپہ سالار
ہوتا تھا۔ علم اعداد جس کو اِس زمانے مین اسقدر ترقی ہوئی ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا
نے ایک مستقل سررشتہ مقرر کیا اور جملہ دفاتر سرکاری کا بڑا وقت ترتیب نقشجات
مین گزرتا ہے اور جو نتائج اُن سے مستخرج ہوتے ہین اُن سے نگرانی وانتظام مین
بڑی مدد ملتی ہے اِس کی بنیاد بھی ہندوستان مین اکبر ہی نے ڈالی تھی اور

[illegible]

اسی وجہ سے اُس۔ منصوبے بہت کم ناکامی کی شکل دیکھتے تھے اور اسکی بدولت وہ وہ جواہر بے بہا اُس کے دربار کی زیب و زینت کا باعث تھے جو بکرماجیت کے نورتن کو مات کرتے تھے شکار کا بیحد شوق تھا اور ہاتھیون کا تو عاشق ہی تھا اور فن موسیقی کے رموز سے بھی ناواقف نہ تھا۔ تعمیرات عامہ کی طرف بھی بہت توجہ تھی اور بہت سے عالیشان قلعے اور عمارتین آجتک اُس کے حسن مذاق اور شاہانہ اولوالعزمی پر شہادت دینے کے لئے موجود ہین۔ قدرت نے جیسا حسن سیرت سے آراستہ کیا تھا ویسا ہی حُسن ظاہری بھی عطا فرمایا تھا۔ جہانگیر نے بیٹے کی محبت اور نقاش کے قلم سے اُسکی تصویر تزک جہانگیری مین کھینچی ہے جس کا ترجمہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

"بلند بالا۔ قد میانہ۔ گندمی رنگ۔ آنکھون کی پتلیان اور بھوین سیاہ رنگت گوری تھی مگر اُسمین پھیکا پن نہ تھا۔ نمکینی زیادہ تھی۔ شیر اندام۔ سینہ کشادہ چھاتی اُبھرا ہوا۔ دست و بازو لمبے۔ بائین نتھنے پر ایک مسہ۔ چنے کے برابر جس کو ماہرین فن قیافہ شناسی بہت مبارک سمجھتے تھے۔ آواز بلند اور گفتگو مین ایک خاص لوچ اور قدرتی نمکینی تھی اور سج دھج مین عام لوگون کو اُن سے کچھ مناسبت نہ تھی۔ شکوہ خداداد اُن کے چہرے سے ظاہر تھی۔"

آخر عمر مین نالائق اولاد نے اِس محب وطن بادشاہ کو بہت سے داغ دیئے اور وہ اسی رنج و غم مین ۲۰ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ مطابق (ستمبر ۱۶۰۵ء) کو دُنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا اور سکندرہ کے عالیشان مقبرے مین اپنے پُرعظمت کارنامے ہمیشہ کے لیے یادگار چھوڑ کر دفن ہوا۔ اگرچہ اکبر مین چندر گپت کی شجاعت اور اولوالعزمی۔ اشوک کی نیک نفسی اور انضباط قوانین اور بکرماجیت کی شان و شوکت اور قدردانی علم و ہنر جمع تھے۔ لیکن اُسنے جس کام کی بنیاد ڈالی تھی وہ ایک شخص کے بس کا نہ تھا اور چونکہ اُس کے جانشینون مین کوئی اُس کا ہمخیال پیدا نہ ہوا اِس لیے وہ پوری طرح بار آور نہ ہو سکا لیکن پھر بھی اکبر کی پرسوز کوششین بیکار نہ گئین اور یہ اُنھین کی برکت تھی کہ ہندو مسلمان باوجود حکام وقت کی بے پروائی کے نہایت سلوک اور اتفاق سے کئی صدیون تک رہے اور اب



[illegible]

[illegible]

[illegible]

اسی وجہ سے سلطنت کی ترقی کے ساتھ قدیم عربی سادگی کے بجاے ایرانی تکلفات
قائم ہونے لگے اور عام طرز معاشرت پر بھی ایرانی تمدن کا رنگ چڑھتا گیا یہان تک کہ
آخر زمانہ مین خلفائے بنی عباس کج کلاہان ایران کیطرح کسی کو اس قابل بھی نہ سمجھتے تھے
کہ کوئی اُنکی صورت دیکھے۔ شخصی سلطنت مین یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ تمدنی ترقی انحطاط قوت
کے دوش بدوش ہوتی ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جسقدر قوم مین تمدنی ترقی ہوئی اور
سلطنت کی ظاہری شان وشوکت بڑہی اُسیقدر اصلی قوت مین کمی ہوتی گئی۔ خلفاے
اسلام کی سادگی کی تو یہ کیفیت تھی کہ جب امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ
کے زمانے مین قیصر روم کا قاصد آیا تو آپ مسجد نبوی مین عام فقرا کے ساتھ سوتے ہوئے
پائے گئے لیکن اُسی کے ساتھ سطوت وجبروت کی یہ کیفیت تھی کہ خسرو ایران وقیصر روم
باوجود ہزار کوس کے فاصلے کے اپنے زرنگار تخت پر بیٹھے ہوئے لرزتے تھے۔ یہ تو پہلا
سین ہوا اب آخری سین دیکھئے کہ ظاہری شان وشوکت کا کیا عالم تھا اور رعب وداب
کی کیا کیفیت تھی۔ امیر معاویہ کے زمانے سے قیصر قسطنطنیہ سے جنگ کا سلسلہ چلا آتا تھا
اور تخت حکومت کے ساتھ یہ مرض مزمن بھی بنی عباس کو ملا تھا خلیفہ المقتدر باللہ
کے زمانے مین بھی جو ۹۰۸ء مین تخت خلافت پر تین سال کے سن مین تخت نشین
ہوا یہ موروثی مرض اپنی بہار دکھا رہا تھا اور ۹۱۷ء مین ادھر تو المقتدر کی یہ حالت
ہوئی کہ اندرونی بغاوتون نے سر اٹھایا اُدھر ملکہ زو کو جو اپنے فرزند قسطنطین ہفتم کی طرف
سے فرمان روا تھی اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے لشکر کو سرحد شام سے ہٹا کر
مصری سرحد پر بلغاریہ کے نیم وحشی گروہون کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لیئے بھیج دے
غرضکہ فریقین کے ایسے حالات تھے کہ صلح بمقابلہ جنگ غنیمت سمجھتے تھے لیکن چونکہ
حال مین اسلامی سپاہ کو زیادہ کامیابی ہوئی تھی اس لیئے تقدیم ملکہ زو کی طرف سے
ہوئی اور اُسنے اپنی طرف سے دو سفیر جن کے نام جان راڈیس اور میکائیل توکسراوس
تھے صلح کرنے کے لیئے بھیجے جس باعظمت دربار مین یہ سفیر امیر المومنین کے حضور مین
حاضر ہوئے تھے اُسکے حالات ابھی تک تاریخ خطیب کے صفحون مین جسکے
تین نسخے برٹش موزیم مین موجود ہین دستبرد زمانہ سے محفوظ ہین اور ان سے ایسی
توی روشنی بنی عباس کی شان وعظمت اور اُس زمانہ کی طرز معاشرت پر پڑتی ہے

اس زمانے کی تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ ان حالات کی اشاعت اس زمانے میں اور بھی زیادہ مناسب ہوگی کہ لارڈ کرزن کی جاہ پسندی نے دربار تاجپوشی کے ذریعے سے اس امر کی کوشش کی کہ ایشیائی شان و شوکت کی ایک ایسی یادگار قائم کی جائے کہ اسکی مثال زمانہ قدیم میں بھی نہ مل سکے۔ لیکن اس قدیم دربار کے حالات کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اگر اہل یوروپ مادی ترقی میں ہمسے کہیں آگے بڑھ گئے ہوں لیکن جہانتک کہ ظاہری شان و شوکت اور تزک واحتشام کا تعلق ہے وہ اہل ایشیا کے پاسنگ کو بھی نہیں پہونچ سکتے۔ اس دربار کے حالات بیان کرنے میں ہمنے اس سے زیادہ تصرف نہیں کیا ہے کہ تمام معتبر روایتوں کو ایک سلسلہ میں منتظم کر دیا ہے۔

جب قیصر روم کے سفیر تکریت پہونچے تو دربار خلافت سے حکم ہوا کہ وہ وہین دو مہینہ تک رکھے جائیں چنانچہ اسکے بعد انکو آگے بڑھنے کی اجازت ہوئی اور بغداد میں جب پہونچے تو ایک عالیشان محل انکے رہنے کیلئے دیا گیا جس کا نام دارالسعید تھا اور وہان بھی دو مہینے تک انکی ضیافت و مہمانی ہوتی رہی۔ ادھر المقتدر نے ارادہ کیا کہ سفرائے روم کو خلافت اسلامیہ کی شان و عظمت کا ایسا تماشا دکھایا جائے کہ وہ اپنے بادشاہ کی بے حقیقتی کے قائل ہو کر صلح کو ذریعہ نجات سمجھیں اور آئندہ لڑائی کا نام نہ لیں۔ دو مہینے تک برابر محلات شاہی کی آراستگی ہوتی رہی اور تمام ساز و سامان درست ہوگیا تو سفیروں کو اطلاع دیگئی کہ وہ تیار رہیں صبح کو شرف باریابی حاصل ہوگا۔ دوسرے روز صبح ہی سے تمام شہر میں عجیب دھوم دھام مچی ہوئی تھی۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار سوار اور پیدل زرق برق لباس پہنے اور مختلف قسم کے مرصع ہتھیاروں سے مسلح باب الشماسیہ سے ایوان خلافت تک دو صفوں میں خوش ترتیبی سے کھڑے کیئے گئے۔ سواروں کے زین سونے اور چاندی کے تھے اور انکے سامنے انکے کوتل گھوڑے مرصع زیور اور قیمتی زینوں سے آراستہ استادہ کیئے گئے تھے ہر گلی کوچے میں خلایق کا عجیب اژدہام تھا غرضکہ سڑکوں بازاروں دوکانوں بالاخانوں پرجہان نظر جاتی تھی لوگوں کے پرُاشتیاق چہروں کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ موقع کی دوکانوں اور بلند بالاخانوں کو لوگوں نے بہت بہت سے درہموں پر کرایہ پر لیا تھا۔ دریائے دجلہ میں بھی عجب عالم تھا قسم قسم کی کشتیاں

لہ اس زمانے میں ایسے موقعوں پر یورپ کے شہروں میں بڑے بڑے کرایہ دیکر لوگ بالاخانے وغیرہ لیتے ہیں اس بیان سے معلوم

اور زر و رقین اور بغلے جو نہایت نفاست کے ساتھ آراستہ کئے گئے تھے خوشنما ترتیب سے سجے تھے۔ غرضکہ جسطرف دیکھو عجیب سمان نظر آتا تھا۔ استنے مین سفیر بھی گھوڑون پر سوار ہوکر دار سعید سے روانہ ہوئے۔ آہستہ آہستہ تمام شہر کا چکر کاٹتے ہوئے ایوان خلافت کے دروازے پر پہونچے جس کا نام باب عامہ تھا۔ ایوان خلافت کی آراستگی کا کیا پوچھنا۔ اڑتیس ہزار کمخواب کے پردے جن پر سنہری کلابتون سے پیالہ و مینا اور ہاتھی گھوڑون اور اونٹ اور شیرون اور پرندون کی خوبصورت تصویرین کڑھی ہوئی تھین جا بجا اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ربستا (جو گجستان مین ہے) اور ارمن اور واسط اور بہنسا (جو سرحد روم پر ہے) کے بنے ہوئے پھولدار اور سادے خوشنما پردے بھی جا بجا لٹکے ہوئے تھے اور صرف دبیقی کی کامدانیون کی تعداد بھی اڑتیس ہزار تھی ساڑھے چار ہزار تو صرف سنہری کمخواب کے پردے تھے بائیس ہزار جہرم اور دارابجرد (فارس مین) اور الدورق (خجستان مین) کے بنے ہوئے رنگ برنگ کے قالین اور فرش راستون اور دیوان خانون مین بچھے ہوئے تھے اور اسی قسم کے نرم اور قیمتی قالینون پر چلکر سفیر لوگ باب العامہ سے لیکر دربار تک پہونچے لیکن ان مین وہ قیمتی اور خوش وضع قالین شامل نہین ہین جو طبرستان اور دبیقی کے بنے ہوئے تھے اور خاص دربار کے کمرون کے دوسرے قالینون پر بچھے ہوئے تھے مگر ان پر جوتے پہنکر چلنے کی اجازت نہ تھی۔ محلات مین فوج کو دخل نہ تھا بلکہ صرف خواجہ سرا اور حاجب اور رومی و حبشی غلام متعین تھے اور وہ زرق برق لباس پہنے ہوئے محلات کے چھتون اور کمرون اور استون مین صف بستہ کھڑے تھے۔ ان خواجہ سراؤن کی تعداد سات ہزار تھی۔ جن مین سے چار ہزار آدمی اور تین ہزار حبشی تھے ان کے علاوہ حبشی غلامونکی تعداد چار ہزار تھی سفیر جب باب العامہ سے داخل ہوئے تو ابو عمر طرسوسی جس کا لقب صاحب السلطان تھا اور جو سرحد شام کی فوج کا سرگروہ تھا ایک سیاہ قبا پہنے اور تلوار پرتلے مین لگائے انکے ہمراہ ہوا اور ان کو اس محل مین لیگئے جو خان خیل کے نام سے مشہور رہی۔ اس محل مین چار طرف عالیشان دالان بنے ہوئے تھے جنکے ستون سنگ مرمر کے تھے اور اسکے دائین [illegible] پانچسو خوبصورت صبا رفتار گھوڑیان جن پر سونے اور چاندی کے زین تھے کھڑی ہوئی تھین اور بائین طرف بھی پانچسو گھوڑیان جن کی پشت پر کمخواب کے زین پوش اور چہرہ پر سنہری سہرے لٹکتے

ہوئی تھین۔ ہر ایک گھوڑی کے سامنے ایک ایک سائیس چمکتا ہوا لباس پہنے ہوئے
کھڑا تھا۔ یہ تماشا دیکھنے کے بعد بہت سے آراستہ دیوان خانون اور چھتون سے گذر کر
باغ [illegible] ات مین داخل ہوئے۔ اس محل کے سامنے ایک باغ تھا جہان ہر قسم کے
پرند اور چرند جمع تھے جو ان لوگون کو آتا ہوا دیکھکر اکٹھے ہو کر باغ سے نکلے اور محل کے
سامنے آکر انکو سونگھنے لگے اور انکے ہاتھون سے کچھ کھا کر چلے گئے۔ اس کے بعد سفیر
اُس محل مین گئے جس کا نام دار الفیل ہے اور وہان چار ہاتھی کھڑے تھے جن پر طاؤسی
اطلس کی جھولین پڑی ہوئی تھین اور ہر ایک کی پشت پر آٹھ آٹھ سندھی اور نیزہ باز آگ
لئے ہوئے بیٹھے تھے اور انکو دیکھکر رومیون پر بہت ہی خوف طاری ہوا۔ اُس کے بعد وہ
ایک محل مین گئے یہان سو شیر تھے پچاس داہنی طرف اور پچاس بائین طرف ہر شیر کا
محافظ زنجیر پکڑے کھڑا تھا۔ اُس کے بعد سفیر الجوسق المحدث مین پہونچے جس کے چار طرف
خوش قطع باغ تھے۔ ایک باغ کے وسط مین ایک قلعی دار ٹین کا حوض تھا اور اُسمین
اس چشمہ سے پانی آتا ہو اُسکی ندی بھی ٹین کی بنی ہوئی تھی جو چمک مین چاندی کو مات
کرتی تھی۔ اس حوض کا طول تیس ہاتھ اور عرض بیس ہاتھ ہو اور اُسکے چارون کونون پر
ایک ایک خوشنما کوشک ہے جسمین زرین کرسیان بچھی ہوئی تھین جو دبیق کی بیش بہا
کامدانیون سے آراستہ کیگئی تھین اور کوشکون کے اوپر کے حصہ پر دبیق کا سنہری کام تھا۔
اس حوض کے چار طرف تختے ہین جنمین چارسو کھجور کے درخت تھے انمین سے ہر درخت
کا تنہ بلندی مین کم سے کم پانچ ہاتھ تھا اور اُسپر جڑ سے لیکر چوٹی تک ساکون کا خول
چڑھا ہوا تھا جس پر خوبصورت کندائی کا کام تھا اور اُسپر جا بجا تانبے کے حلقے جن پر
سونے کا ملمع تھا چڑھے ہوئے تھے۔ لطف یہ ہو کہ یہ سب درخت پھلدار تھے اور انکا
پھل تقریبا ہر موسم مین پختگی کو پہونچتا ہے اور سڑتا نہین ہے۔ باغ کے اطراف کنارون پر
[illegible] قسم کے سردون کی بیلین ہین اس محل کے دیکھنے سے فارغ ہونے کے بعد وہ
دار الشجرہ مین آئے جہان ایک مدور حوض کے وسط مین جسمین شفاف پانی بھرا ہوا ہے
ایک چاندی کا درخت ہے جس کا وزن پانچ لاکھ درہم (تقریبا ڈیڑھ لاکھ تولہ) ہے۔ اس
درخت کی اٹھارہ شاخین ہین اور ہر شاخ مین بہت سی ٹہنیان ہین جن پر قسم قسم کی سونے
اور چاندی کی چڑیان بڑی اور چھوٹی بیٹھی ہوئی ہین۔ اس درخت کی اکثر شاخین چاندی

کی ہین مگر کچھ سونے کی بھی ہین اور وہ رنگ برنگ کے پتون سے لدی ہوئی ہر طرف ہوا
مین پھیلی ہوئی ہین جسکے جھونکون سے درخت کے پتے ہلتے اور چڑیان خوش الحانی
سے گاتی اور سیٹی بجاتی ہین۔ اس محل کے ایک طرف حوض کے داہنے اور بائین
طرف پندرہ پندرہ سوارون کی قدآدم مورتین ہین جو گھوڑیون پر سوار ہین اور جن کا
لباس اور گھوڑیون کا سازو یراق سر سے پاؤن تک کمخواب کا ہے۔ سوارون کے
ہاتھون مین لمبے لمبے نیزے ہین اور وہ اُن کو مقابل کی صف کی طرف بڑھائے ہوئے ہین
اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ گویا آپ حملہ کرتے ہین اور چیزین تو نہین تھین لیکن جسقدر حیرت
رومیون کو اس درخت کے دیکھنے سے ہوئی اتنی کسی چیز سے نہین ہوئی۔ دار الشجرہ کے
عجائبات کی سیر سے فارغ ہوکر رومی قصر آلفردوس مین داخل ہوئے۔ یہان بیش بہا
قالین اور نفیس سازو سامان اس کثرت سے تھا کہ کچھ بیان نہین ہوسکتا اور اس قصر
کے دیوان خانے کی دیوارون پر دس ہزار سُنہری زرہین لٹکتی ہوئی تھین۔ اسکے
بعد سفیر ایک سپٹے ہوئے راستے سے گذرے جس کا طول تین سو ہاتھ تھا اور اسکے دونون
طرف کی دیوارونکو مختلف قسم کے ہتھیارون سے مثلاً ڈھالین۔ خود شیر نیچے زرہ بکتر اور
مرصع تیر کمانین سجایا گیا تھا۔ یہان بھی داہنے اور بائین دو ہزار خواجہ سرا رومی و حبشی
دو صفون مین کھڑے ہوئے تھے۔

آخر کار اس طور پر تیئیس[۲۳] محلات کی سیر کرنے کے بعد سفیر لوگ قصر التسعین مین
داخل ہوئے۔ یہان خاص خلیفہ کے خدمت گذار غلام خوبصورت اور قدآور نفیس
لباس پہنے ہوئے اور مرصع ہتھیار لگائے کھڑے تھے۔ اُنکے ہاتھون مین تلوارین اور تبر
اور عصا تھے۔ اسکے بعد حبشی غلامون اور نائب حاجبون اور چوبدارون اور باڈی گارڈ
اور قائدون کی (جنرلون) کے بیچ کی صفون سے گذرتے ہوئے دیوان خانے کے قریب
پہونچے اور پہلے وہ ایک عالیشان قصر مین داخل ہوئے جسکی آرائش کو دیکھ کر وہ سمجھے
کہ یہین امیر المومنین برآمد ہین مگر اُنکو بتایا گیا کہ یہان صرف امیر المومنین کا حاجب نصر القشاوری
اجلاس کرتا ہی۔ اُسکے بعد اُن کو ایک اور محل مین لیگئے یہ محل پہلے محل سے بھی آراستگی
مین بڑھا ہوا تھا اس لیے اُنھون نے سمجھا کہ اب کی دفعہ تو ضرور شرف حضوری نصیب
ہوگا مگر جب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہان ابن الفرات وزیر اعظم برآمد ہین۔ اسکے بعد

[illegible]

ہوتا تو ہم بخوشی اِس رسم کو ادا کرتے۔ لیکن دیکھو کہ اَب ہم وہ کر رہے ہین جو کبھی آپکے سفیرون کو ہمارے یہان نہین کرنا پڑا یعنی ہاتھ باندھے کھڑے ہین لیکن یہ بھی ہمارے رسوم آداب کے خلاف نہین ہی۔" اُس کے بعد ایک گھنٹے تک وہ اسی طرح دست بستہ امیر المومنین کے حضور مین کھڑے رہے۔ اُس کے بعد امیر المومنین نے اپنے دست خاص سے جوابی فرمان سفیرون کو حوالہ کیا اور وہ اُسکو ادب سے بوسہ دیکر طالب رخصت ہوئے۔ جب اجازت ہوئی تو باب الخاصہ سے نکلکر دجلہ کے کنارے پہونچے اور وہان امیر المومنین کے خاص کشتیون مین سوار ہوکر دار السعید کو روانہ ہوئے یہان پہونچکر اُن کو پچاس تھیلیان درہمون کی ملین جن مین سے ہر ایک تھیلی مین پانچہزار درہم تھے اور ابو عمر کو خلعت فاخرہ عطا ہوا۔

اُس کے بعد صلح ہوگئی اور ایک لاکھ بیس ہزار دینا دیکر مسلمان قیدیون کو رہا کرا دیا گیا۔ اِس آخری کیفیت سے ہمارے پہلے دعوے کا ثبوت ملتا ہے کہ گو خلافت نے شان و شوکت کے لحاظ سے عجیب و غریب ترقی کی تھی مگر سطوت و جبروت کے لحاظ سے زمانہ سابق سے کوئی مقابلہ ہی نہین ہو سکتا۔



[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اُس محلہ کے باشندون کو جہان مفلس ترین لو رہتے تھے دیا کرتا تو اُن کو پیغامبر
اُن کی قیمت بطور جرمانہ کے داخل کرداور بالآخر اُنھین جرمانہ دینا پڑا۔

ایک پرتگیزی سیاح ڈوارٹ یاربوسا نامی نے جو سنہ ۱۵۱۴ع مین بجانگر گیا تھا۔[1]
بیان کیا ہو کہ بجانگر ایک بہت آباد شہر ہے اور وہان کے بازار نہایت وسیع اور
عمدہ ہین۔ راے کی فوج مین ہر مذہب و ملت کے لوگ ملازم ہین اور ہر شخص اپنے
مذہب کی پابندی مین پورا آزاد ہے۔ ہر ملک و دیار کے سوداگر کاروبار تجارت
مین امن و امان کے ساتھ مشغول ہین اور حکام سب کے ساتھ انصاف و مروت
کا برتاؤ کرتے ہین۔ بیش بہا جواہر تمام دیار و امصار سے فروخت ہونے کے لیئے
آتے ہین۔

شاہی تزک و احتشام کی کیفیت اِس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایک محل مین متعدد
محل تھے اور ہر محل نہایت عالیشان تھا۔ محل کے دروازے کے سامنے بہت سے
سوار کھڑے رہتے تھے۔ تخت سونے کا تھا جس پر بیش بہا جواہرات جڑے ہوئے
تھے۔ اور راے کی خدمت گذاری کے لیئے پانچ ہزار عورتین ملازم تھین ہزارون
طریقہ سے ناچ گاکر راجہ کا دل بہلاتی تھین اور جب وہ ہر روز صبح کے وقت
نہانے کے لیئے جاتی تھین تو راجہ دور ہی دور سے نظر بازیان کیا کرتا تھا۔ اور اگر
کوئی مہ جبین پسند آجاتی تھی تو اُس کو خلوت خاص کی عزت حاصل ہوتی تھی۔ راجہ
کمخواب کی ٹوپی اوڑھتا تھا اور گلے مین بڑے بڑے موتیون کا مالا۔ اگر کبھی جنگ پر
جاتا تھا تو روئی دار کرتی اور اُس پر چغہ پہنتا تھا جس پر اشرفیان اور بیش بہا
جواہر ٹکے رہتے تھے۔ گھوڑے کا سامان اِس تیاری کا ہوتا تھا کہ ایک اٹلین سیاح
کا بیان ہو کہ صرف اُسکی قیمت اٹلی کے ہر شہر سے زیادہ ہوتی تھی۔ راے کی فوج مین
ایک ہزار ہاتھی بیس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادے تھے اور جب اُسکی سواری
نکلتی تھی تو پانچ چھ ہزار سوار ساتھ رہتے تھے۔

دربار کی تصویر دکھانے کے لیئے مناسب ہوگا کہ عبدالرزاق کی ملاقات کا حال
درج کیا جائے۔ وہ لکھتا ہو کہ "ایک روز چند ایلچی اُس کی طلبی مین آئے اور وہ

[1] کنارا گزیٹیر۔

تحفہ و تحائف کے ساتھ حاضر دربار ہوا۔ رائے بڑے تزک و احتشام سے دیوان خانے میں تخت سلطنت پر متمکن تھا اور بہت سے برہمن اور امرا، دائیں بائیں خواصی میں کھڑے تھے اُس کا لباس ابنوئی اطلس کا تھا اور گلے میں خوش آب موتیوں کا کنٹھا تھا۔ اُس کی رنگت گندمی جسم دُبلا اور قد کسی قدر لمبا تھا۔ سن بہت ہی کم معلوم ہوتا تھا اور گو سبزہ آغاز تھا مگر داڑھی کا ابھی نام و نشان نہ تھا۔ چہرہ مہرہ بہت دلفریب تھا۔

عبدالرزاق جب پیش ہوا تھا آداب و مجرا بجا لاکر اُس نے پانچ گھوڑے اور دو کشتیاں پیش کیں جن میں سے ایک کشتی میں نو تھان مشجر کے تھے اور دوسری میں نو تھان اطلس کے۔ رائے نہایت ہی مہربانی و خلق سے پیش آیا۔ اُسکو اپنے قریب جگہ دی اور سلطان ابوسعید کا نامہ لیکر ترجمان کے ذریعے سے کہا کہ "مجھے شہنشاہ کے سفیر بھیجنے سے بہت ہی خوشی ہوئی" چونکہ عبدالرزاق کو گرمی کی وجہ سے سخت پسینہ آرہا تھا اس لئے رائے نے ایک قیمتی پنکھا عنایت فرمایا اور اُس کے بعد ایک کشتی لائی گئی جس میں دو ڈھولیاں پانوں کی تھیں اور ایک کیسۂ زر جس میں پانچ سو فنم تھے اور بیس مثقال کافور۔ اور یہی گویا رخصتی تھی۔ راجہ نے کیسۂ زر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ "جب تمھارے بادشاہ کے یہاں سفیر جاتے ہیں تو اُن کے سامنے کھانا رکھا جاتا ہے لیکن چونکہ ہم ساتھ کھانا نہیں کھا سکتے۔ اس لئے یہ کیسۂ زر پیش کیا گیا" سرکار سے اُس کے تماصہ کے لیئے روزانہ دو بکرے آٹھ مرغیاں پانچ من چاول اور ایک من گھی اور ایک من شکر اور دو درا ہم طلائی ملتے تھے اور جب حضوری میں حاضر ہوتا تھا تو پہلے کی طرح کشتی عنایت ہوتی تھی۔

ملک کی فارغ البالی کی یہ کیفیت تھی کہ رائے کے تہ خانوں میں بے انتہا دولت جمع تھی۔ اور کوئی قطعہ اراضی ایسا نہ تھا جہاں زراعت نہ ہوتی ہو اور آب رسانی کے قدرتی ذریعوں سے فائدہ اُٹھا کر جا بجا ہزاروں تالاب بنائے گئے تھے جن کو دیکھکر آج بھی لوگ حیرت میں رہ جاتے ہیں۔ معدنیات کے انتظام کا خاص طور پر اہتمام تھا۔ جتنے ہر قسم کے بیش بہا جواہر اور قیمتی دھاتیں نکلتی تھیں۔ اسی وجہ سے سیاحوں کا بیان ہے کہ کوئی فرد بشر ایسا نہ تھا جو سونے کا زیور ہاتھوں اور گلے میں نہ پہنتا ہو۔

عبدالرزاق نے ایک عجیب و غریب میلہ کی کیفیت بھی لکھی ہے جو نہایت تزک و

[illegible]

آپس مین جوڑے ہوئے تھے کھڑے کئے اُنمین سے ہر شہتیر آدہ گز چوڑا اور تین چار گز
لمبا تھا اور بیچ کا شہتیر طول مین ایک گز تھا پہلے دو شہتیرون پر دو اور شہتیر رکھے جو
طول و عرض مین اُسیقدر تھے اور اُنکی چوٹی پر ایک تیسرا شہتیر رکھا جو کسی قدر چھوٹا
تھا گویا کہ دو منزلین تیار ہوگئین اور اُسکے بعد ایک بڑے قوی ہیکل ہاتھی کو لائے جو
پہلی منزل پر قدم رکھکر دوسری منزل پر چڑھ گیا۔ گو کہ اس شہتیر کا عرض ہاتھی کے پاؤن سے
بھی کم تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اُس نے چارون پاؤن اُس پر جمالئے اور جب گویون نے گانا
شروع کیا تو ہر گت پر سونڈ سے تان اُڑانے لگا۔ جب یہ تماشا ہو چکا تو ایک ستون جو بلندی
مین دس گز تھا قائم کیا گیا اور ایک سوراخ مین جو ستون کی چوٹی پر تھا ایک شہتیر ترازو
کی ڈنڈی کیطرح ڈالا گیا اُسکے ایک سرے مین ایک بڑا سا پتھر جو وزن مین ایک ہاتھی کے برابر تھا لٹکایا گیا
اور دوسرے سرے مین مضبوط رسیون مین ایک چوڑا تختہ باندھا گیا جو ایک گز مربع تھا ہاتھی بے تکلف اُس تختہ پر چڑھ گیا
اور چڑھتے ہی رسی کھولدی گئی اور یہ عجیب تماشا نظر آنے لگا کہ ایک پلڑے مین تو ہاتھی تھا اور دوسرے پلڑے مین پتھر اور کبھی
یہ پلڑہ بلند ہو جاتا تھا اور کبھی دوسرا پلڑہ اور کبھی یہ لطف ہوتا تھا کہ دونون سطح زمین سے
کئی گز اونچے قائم ہو جاتے تھے اور وہین سے ہاتھی کلاونتون کے گانے پر سونڈ کو ہلا ہلا
کے کتین بجاتا تھا تین روز تک یہ میلہ نہایت دھوم دھام سے قائم رہا۔ تیسرے روز
رائے نے تمام قصہ گویون۔ بازیگرون۔ اور رنگنے والون کو بیش بہا خلعت اور اشرفیان
عنایت فرمائین اور روانگی سے کسی قدر پہلے عبدالرزاق کو بھی طلب کیا۔ عبدالرزاق
جب حاضر دربار ہوا تو اُس نے دیکھا کہ دیوان خانہ مین چار تخت بچھے ہوے ہین جنمین
سے ہر تخت وسعت مین قریبًا دس گز مربع تھا۔ پہلے تخت کے اوپر رائے کا تخت تھا جو سونے
کا تھا اور نہایت ہی صناعی سے بیش بہا جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا اور اُس پر ابنوئی
اطلس کی مسند بچھی تھی جس مین موتیون کی تین لڑون کی جھالر تھی۔ کمرے کی دیوارون
اور چھت پر سونے کے پتر طلائی کیلون سے جڑے ہوے تھے اور اُن پر بھی جواہرات
بوقلمون اپنی بہار دکھا رہے تھے غرضکہ ایسا سمان تھا کہ آنکھ کام نہ کرتی تھی اور حیرت
ہوتی تھی کہ اتنی دولت کہان سے اُبل پڑی۔ رائے نے بالآخر عبدالرزاق
کی سفارت کے جواب مین خواجہ مسعود اور خواجہ محمد خراسانی کو سفیر بنا کر خاقان سعید
کے پاس بھیجا۔

ان مختصر حالات سے ناظرین کو اس بات کے اندازہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے
کہ سلطنت بیجانگر کیسی باعظمت و جلال تھی۔ اور اس ہندو راج کے سایۂ عاطفت
مین ہر شخص کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اور تجارت اور تمدن نے کس درجہ ترقی
کی تھی لیکن افسوس ہی کہ زمانہ نے ساتھ نہین دیا اور ۱۵۶۵ء مین علی عادل شاہ کی
حکمت عملی نے دکن کی پانچون مسلمان سلطنتون کو متفق کر کے تالی کوٹہ کے میدان مین رام راجہ
کو شکست دے کر قتل کیا اور بیجانگر جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ گو اُسکے بعد اُس کے بھائی
تِمّا راج نے پھر بیجانگر کے آباد کرنے کی کوشش کی مگر کچھ نہ چلی اور در اصل رام راجہ کے
ساتھ ہی اِس عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہو گیا گو کہ ممالک محروسہ سرکار نظام مین اِس
خاندان کے نام لیوا راجگان اناگندی اسوقت تک موجود ہین اور اسی وجہ سے
سمستان اناگندی کو باوجود کمی آمدنی و قلت املاک کے دوسرے سمستانون پر
تفوق حاصل ہے۔ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے پر اب بھی کئی میل تک بیجانگر کے
کھنڈر چلے گئے ہین اور وہان کے شکستہ محل اور اُجڑے ہوئے مندر آج تک
اس ہندو سلطنت کی عظمت کو یاد دلاتے ہین۔

مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس

بیت المقدس صرف یہود و نصارا ہی کا مذہبی مرجع و ماوی نہین بلکہ اہل اسلام کے نزدیک بھی نہایت ہی عظمت و وقعت کا مستحق ہے۔ حروب صلیبیہ مین عیسائیون کے حملون کے، وہ گنتے مین جو سرگرمی شام و مصر کے مسلمان فرمان رواؤن سے ظاہر ہوئی وہ محض اسی وجہ سے تھی۔ اور کیونکر نہ ہو وہ خاک جسمین ہزارہا انبیا و رسل اُٹھے اور پھر وہین پیوند زمین ہوئے کیا کچھ بابرکت نہو گی۔ اور اسی وجہ سے جناب رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا فرماتے ہین کہ لا تشدوا الرحال الا الی ثلثۃ مساجد مسجد الحرام۔ ومسجد الاقصیٰ و مسجدی ہذا" (یعنی نہ سفر کرو مگر تین مسجدونکا۔ مسجد حرام (خانہ کعبہ) مسجد اقصیٰ۔ اور میری مسجد کا یعنی مدینۂ طیبہ کی مسجد نبوی کا) لیکن مسلمان در اصل مسجد اقصیٰ کے حالات سے بہت کم واقف ہین کہ وہ کیا چیز ہے۔ کب بنی اور کیونکر اور کس غرض سے تعمیر ہوئی پہلی اسلامی برکت اس مسجد مین تو یہی ہے کہ آنحضرت صلعم شب معراج مین پہلے مکۂ معظمہ سے اسی مسجد مین تشریف لے گئے۔ یہان تمام انبیائے ماسبق کی امامت سے نماز جماعت ادا کی۔ اور پھر عالم بالا کی سیر کیلئے آسمانکی طرف بلندی پر روانہ ہوے۔

دوسری برکت یہ ہے کہ عساکر اسلام جب قیاصرۂ روم کی سطوت کو اُلٹتے ہوے ارض شام مین گھسے اور خاص شہر بیت المقدس کے گرد خیمہ زن ہوے تو مذہبی پیشوائے نصارا اسفرینوس کی درخواست کے مطابق جناب خلافت مآب سیدنا عمر فاروق کو مدینۃ النبی کی چار دیواری سے نکل کے بیت المقدس کا سفر کرنا پڑا۔ حضرت فاروق کے تشریف لے جانے پر جب یہ متبرک شہر فتح ہو گیا تو کعب احبار کی رہبری سے جو خود امیر المومنین کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوے تھے اس متبرک

تعمیر میں قبۃ الصخرہ کی عمارت سے ابتدا کی گئی۔ اور مسجد اقصیٰ کی تیاری پر کام ختم ہوا۔ مسجد اقصیٰ (ابن عساکر۔ تاریخ دمشق) کا طول ۷۵۵ ہاتھ اور عرض ۴۶۵ ہاتھ تھا۔ اور مسجد میں علاوہ ستونوں کے چھ ہزار تختہ چھت اور فرش میں لگے تھے۔ پچاس دروازے تھے۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ باب القرطبی۔ باب داؤد۔ باب التوبہ۔ باب الرحمۃ۔ انھیں دروازوں میں چھ دروازے ایسے تھے جن کے کنواڑوں پر سونے چاندی کے پتر چڑھے ہوئے تھے۔ یہ چھ دروازے باب الاموط کے نام سے مشہور تھے۔ ۶۰۰ سنگ مرمر کے ستون تھے۔ سات محرابیں تھیں۔ ۵۰۰ زنجیریں لالٹینیں لٹکانے کی تھیں۔ جن میں سے ۳۴۵ مسجد اقصیٰ میں تھیں اور ۱۵۵ قبۃ الصخرہ میں۔ ان زنجیروں کا مجموعی طول ۴۰۰۰ ہاتھ اور وزن ۴۳۰۰۰ رطل شامی تھا اور اس کے سوا ۵۰۰۰ لیمپ اور تھے۔ ہر شب جمعہ کو ایک ہزار شمعیں ان سب کے علاوہ روشن ہوتی تھیں۔ مسجد کے علاوہ پندرہ قبے تھے۔ مسجد کی چھت پر ۷۷۰۰ چادریں سیسہ کی جن میں سے ہر ایک کا وزن ۷۰ رطل شامی تھا لگی ہوئی تھیں۔ ۲۴ بڑے حوض تھے اور چار مینار جب تعمیر کا کام ختم ہوا تو مہتممین نے اطلاع دی کہ ایک لاکھ دینار ابھی باقی ہیں ان کی نسبت کیا ارشاد ہے۔ عبدالملک نے جواب دیا کہ یہ اُن کی نگرانی کا حق ہے لیکن اُن کی دیانت داری نے اُس کو قبول نہ کیا اور جواب دیا کہ نہ صرف یہ رقم بلکہ خود ہمارا مال و متاع بلکہ ہماری عورتوں کا زیور بھی خلیفہ کی نذر ہے۔ خلیفہ کو جب یہ جواب ملا تو اُس نے حکم دیا کہ اشرفیوں کو گلا کر قبۃ الصخرہ کی آراستگی میں لگا دیا جائے۔ چنانچہ اس قدر طلاکاری کی گئی کہ قبہ پر نظر کام نہ کرتی تھی۔ اس کے بعد ایک غلاف نمدہ اور چمڑے سے تیار کیا گیا جو موسم سرما میں قبہ پر چڑھا دیا جاتا تھا کہ برف و باران سے محفوظ رہے اور قبہ کے گرد آبنوس کا جنگلا لگایا گیا جس پر نہایت خوشنما کھدائی کا کام تھا اور دروازوں میں کمخواب کے پردے لٹکائے گئے۔ یہ مشہور ہے کہ عبدالملک کے زمانہ میں گنبد کی زنجیر سے ایک بے بہا موتی اور حضرت ابراہیم و بکری کا سینگ اور خسرو کا تاج لٹکتا تھا۔ لیکن بعد میں بنی ہاشم

نے ان چیزون کو مکۂ معظمہ مین بھیجدیا۔
مسجد کے آراستہ رکھنے کے لئے تین سو خادم مقرر کئے گئے اور یہ قاعدہ
مقرر کیا کہ اگر ان مین سے کوئی شخص مرے تو اُس کا بیٹا یا پوتا اُسکی جگہ
مقرر ہو۔ دس یہودی مسجد مین جھاڑو دینے اور غسل خانون کے پاک کرنے
اور اسی طرح دس عیسائی فرش کے پونچھنے اور حوضون کے صاف
کرنے کے لیے مقرر کئے گئے اور یہ خدمتین ان کے خاندانون مین موروثی
قرار دی گئین اور ابدآلاباد تک یہ لوگ جزیہ سے معاف کئے گئے۔
ہر صبح چند خادم زعفران پیستے اور معطر پانی تیار کرتے تھے۔ سب سے پہلے
حمام سلیمان صاف کیا جاتا تھا اُس کے بعد گودام سے خالوق ایک قسم کی
خوشبو لینے جاتے تھے اور قیمتی کپڑے پہن اور مرصع پیٹیان باندھ اور
خالوق ہاتھون مین لے کر صخرہ پر لگاتے تھے اور جب ہاتھ نہ پہونچ
سکتے تھے تو پاؤن دھو کر اوپر چڑھ جاتے تھے۔ یہان تک کہ تمام صخرہ
مہکنے لگتا تھا اُس کے بعد سونے اور چاندی کی انگیٹھیان لائی جاتی تھین
جن مین پردون کو گرا کر عنبر و عود جلایا جاتا تھا جس سے تمام گنبد
مہک جاتا تھا اس کے بعد پردون کو باندھ دیتے تھے تاکہ خوشبو تمام مسجد مین
پھیل جائے۔ جب یہ سب ہو چکتا تھا تو بازار مین منادی کر دیتے تھے
کہ صخرہ زیارت کے لیے تیار ہے۔ اس پر لوگ اس کثرت سے دوڑتے تھے
کہ ہر شخص کو دو رکعتین ادا کرنا بھی مشکل ہوتا تھا۔ معمولی طور پر تمام دروازے
قفل پڑے رہتے تھے اور ہر دروازہ پر دس دربان مقرر رہتے تھے اور صرف
دوشنبہ اور جمعہ کے دن عام طور پر لوگون کو زیارت کی اجازت ہوتی تھی۔
قبۃ الصخرہ کی کارنس پر خوشنما کوفی خط مین ایک کتبہ مین تاریخ تعمیر
۷۲ھ مطابق ۶۹۱ع درج ہے اور اگرچہ بعد کے زمانہ کی خوشامد
پسندی سے عبداللہ المامون کا نام بجائے عبدالملک کے قائم کر دیا ہے
مگر کوتاہ بین جعل ساز کو تاریخ کے بدلنے کا خیال نہین آیا۔ اس کتبہ مین
مذہب عیسوی کے مقابلہ مین خدا کی وحدانیت اور تثلیث کے بطلان کا اظہار

که اگر وه زیارت کے لیے آنا چاہتا ہے تو اپنا ہی شہر سمجھ کر آسکے۔ یوروپین مصنف چونکہ مشرقی خوش اخلاقی سے ناواقف ہین۔ اس لیے اُن کو ایسا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ لیکن شارلی مین کو ایسا وہم گمان بھی نہین ہوا۔

مامون الرشید نے ولید اور ابو جعفر المنصور اور محمد المہدی کی طرح مسجد اقصیٰ کی مرمت کی لیکن اس کے خوشامدی کارپردازون نے خود تعمیر ہی کو اُس کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ قبۃ الصخرہ کے کواڑون پر جو مسی پتر لگے ہوے ہین اُن پر اس مضمون کا ایک کتبہ آجتک موجود ہے

مامون الرشید ہی کے زمانہ مین پٹرک تامن نے دار القمامہ کو جو بدبختی ایام سے کھنڈر ہو گیا تھا از سر نو تعمیر کیا۔ اور ایک قبطی بکم نامی نے اس متبرک کام مین ایسی فیاضی سے روپیہ خرچ کیا کہ عیسوی کلیسا کی شان وشوکت اسلامی حرم سے بھی بڑھ گئی اور دار القمامہ کا گنبد بلندی مین قبۃ الصخرہ کو مات کرنے لگا۔ یہ دیکھکر مسلمانون کی رگ حمیت کو جنبش ہوئی۔ اور قدیم عہد پر کہ کوئی گرجا پہلے سے زیادہ شاندار نہ بنایا جائے زور دینے کا خیال پیدا ہوا اور پٹرک کو قید کر کے تحقیقات شروع کی۔ جب چالاک پٹرک نے مذہب کے خاطر ایمان کو بالائے طاق رکھکر یہ جھوٹا بیان قائم کیا کہ کلیسا کا گنبد بالکل اُتنا ہی اونچا ہے جتنا کہ پہلے تھا اور تعمیر جدید مین قدیم حدود سے مطلق تجاوز نہین کیا گیا تو بار ثبوت الزام لگانے والون پر عائد ہوا اور گو ہر شخص کے حواس خمسہ اسکے کذب پر شہادت دے رہے تھے۔ لیکن بات ایسی تھی کہ شرعی ثبوت پیش کرنا ممکن نہ تھا اور اسلامی انصاف دیکھنا چاہیے کہ گو یہ ایک مذہبی معاملہ اور وہ بھی غیر مذہب رعایا کے مقابلہ مین تھا لیکن ملزمین بلا تامل رہا کر دیئے گئے۔

عیسائی زائر بھی جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے بہت کثرت سے ۹

بیت المقدس کو آتے تھے اور اس لیے بنی عباس کے زمانہ کی کیفیت بتانے کیلیے اُنکے سفرنامہ چراغ ہدایت کا کام کرتے ہین - یہ بیانات اس وجہ سے اور بھی قیمتی ہین کہ ہماری تاریخین ایسے حالات سے بالکل خالی ہین اور گو عام حکومت کی شان بعض قدیم اسلامی سفرنامون سے بھی ظاہر ہو سکتی ہے لیکن فاتحین و مفتوحین کے تعلقات کی نسبت وہ بھی خاموش ہین - یہ وہ زمانہ ہے جب کہ یورپ گرداب جہالت مین مبتلا تھا - اور اولوالعزم بادشاہ بجائے ملک گیری کے خانہ جنگی کو باعث فخر سمجھتے ہین -

ایک انگریز دل بالڈ نے سنہ ۷۲۱ء مین بیت المقدس کا سفر کیا اور گو اُسکا سفرنامہ بہت ہی مختصر ہے اور زیادہ حالات اس سے معلوم نہین ہو سکتے لیکن پھر بھی اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ممالک اسلامیہ مین ایسے محفوظ تھے غیر مذہب والے آزادی سے اپنے معبدون مین ارکان مذہبی ادا کرتے تھے اور تمام انتظام ایسا خوش اسلوبی سے قائم تھا کہ غیر ملک کے لوگونکو کوئی تکلیف تو نہین دیجاتی تھی - لیکن اس امر کی کامل نگرانی رکھی جاتی تھی کہ وہ جاسوسی نہ کرسکین

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قائم رکھنے پر بھی مجبور کیا تھا اور اس لیئے خالص اسلامی سکہ کے اجراء کے لیئے استحکام سلطنت مقدم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ابتدا مین سکہ جب ضرب کیا گیا تو نہ اُسکا نام یا وزن بدلا گیا اور نہ صورت و ہیئت چنانچہ جو سکے حضرت عمر کے زمانے مین مضروب ہوئے تھے وہ درہم و دینار و فلوس ہی کہلاتے تھے اور بعد مین بھی یہی نام مروج رہے حالانکہ لفظ دینار رومی لفظ (DINARIUS DVARIUS) اور درہم (DRACHMI) لفظ ڈرکم اور فلس لفظ (FOLIS) سے نکلا ہے اور اسیطرح ہیئت کے اعتبار سے رومی اور ایرانی ٹھپے قائم رکھے گئے تھے صرف اُن پر نام یا کوئی برکت کا کلمہ عربی زبان کا بڑھا دیا گیا تھا حضرت عمر کے زمانے کا کوئی سکہ ہماری نظر سے نہین گذرا لیکن ایڈورڈ ٹامس نے جن ساسانی سکون کی تصویرین دی ہین اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا مین نام بھی عربی زبان مین نہین لکھتے تھے بلکہ بنانیوالے اور دارالضرب کا نام بھی دری زبان مین لکھا جاتا تھا اور اُن پر ایک طرف خسرو پرویز کی صورت اور دوسری طرف آتش و قربان گاہ اور دو موبدونکی تصویر بنائی جاتی تھی۔ سب سے زیادہ اس قسم کے سکے زیاد ابن ابیہ کے زمانے کے پائے جاتے ہین جبکہ وہ امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہ کے طرف سے بصرہ کا گورنر تھا۔ اُس کے بعد جب عبداللہ ابن زبیر کا زمانہ آیا تو اُنھون نے اس وجہ سے کہ اکثر مختلف قیمتون اور عیار کے سکے رائج تھے اور اُن کی وجہ سے عام طور پر کاروبار مین نہایت خرابی پڑتی تھی۔ اس طرف توجہ فرمایا اور اُن کے بھائی مصعب ابن زبیر کے حکم سے حارث ابن عبداللہ ابن ربیعہ المخزومی نے سنہ ... مین سکے بنانے شروع کیئے مگر یہ سکے بھی بالکل ایرانی قطع کے تھے صرف اتنا فرق تھا کہ اُنپر ایک طرف الفاظ "برکت اللہ" اور دوسری طرف "اللہ" بڑھا دیئے جاتے تھے لیکن چونکہ عبداللہ ابن زبیر کا زمانہ خلافت محض چند روزہ تھا اور یوسف بن حجاج کے ظالم مگر قوی ہاتھون نے بہت ہی جلد اُسکا خاتمہ کر دیا اسلیئے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے زمانہ کے سکے زیادہ عرصہ تک مروج نہین رہے۔ ابتدا مین ایرانی طرز کے سکون کے مضروب ہونے کی یہ وجہ تھی کہ دارالضرب قسطنطنیہ تو جاری تھی اس لیئے ممالک شام وغیرہ مین سکون کی کمی ہوتی تھی تو وہان سے

پوری ہوجاتی تھی مگر برخلاف اُس کے دارالضرب ایران ساسانیون کی تباہی کی وجہ
سے بند ہوگئی تھی اور اس لیئے وہان سلطنت اسلامیہ ہی کو جدید سکے بنانے پڑے
غرضکہ عبداللہ بن زبیر کے زمانے تک سکون کی وہی قدیمی شان قائم رہی لیکن
جب خلیفہ عبدالملک بن مروان نے یوسف بن حجاج کی سختی اور تدبیر ملکی کی بدولت
ممالک اسلامیہ کو اندرونی بغاوتون اور قضیون سے پاک کیا تو خلافت اسلامیہ کی
سطوت وجبروت مین یہان تک ترقی ہوئی کہ اُس نے دینارون کی پیشانی سے تثلیثی
طغرا کو نکالکر توحیدی طغرا قائم کیا جسٹن ثین دوم قیصر روم نے رسم قدیم کے پھر
اختیار کیئے جانے سے مایوس ہوکر یہ دھمکی دی کہ مین اپنے سکہ مین نعوذ باللہ تمھارے
پیغمبر (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام کے ساتھ ایسے الفاظ منقوش کراؤن گا جو
تمکو نہایت ناگوار گذرینگے اور چونکہ ہمارا سکہ عالمگیر ہے اس لیئے ساری دنیائے
اسلام مین باسانی پھیل جائیگا یا یہ ہو جیسا کہ ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ قیصر روم
نے اُن خطوط کی پیشانی پر جو اُس کے پاس خلیفۂ اسلام کے یہان سے آئے تھے
قل ہو اللہ احد اور آنحضرت صلعم کا نام نامی دیکھکر پیچ وتاب کھایا اور ایسی دھمکی دی
معلوم ہوتا ہے کہ جب سلطنت بنی امیہ دمشق مین قائم ہوئی تو اُنھون نے رومیون
کے تثلیثی طغرا اور طراز کو محض علامات حکومت وسلطنت سمجھکر اختیار کرلیا اور گو بعد مین
اُس کے معنی سمجھ بھی گئے لیکن چونکہ اندرونی بغاوتون اور آئے دن کے فسادون کی
وجہ سے اتنی قوت نہ تھی کہ رومی غیض وغضب کا مقابلہ کرسکتے اس لیئے اُنھون نے
اُنکو نہین بدلا لیکن جب عبدالملک کے زمانے مین سلطنت کی بنیاد قوی ہوئی تو
اُسنے پہلے ہی موقع پر اس غلط طریقہ کو بدل دیا جو قیصر روم کو نہایت ناگوار گذرا لیکن چونکہ
اُسکی رعایا کی منصفانہ بغاوت نے جیسا کہ گبن نے کہا ہے جلد اُس کا خاتمہ کردیا اس لیئے
اُس سے کوئی بد نتیجہ پیدا نہین ہوا۔ اصل یہ ہے کہ اگر قیصر روم دھمکی نہ بھی دیتا تو تمدنی
ضرورتین خود اس امر پر مجبور کرتین کہ ممالک اسلامیہ مین سکہ بنایا جائے اور کثرت سے بنایا جائے کیونکہ اس زمانہ
مین ممالک محروسہ کے حدود ایک طرف تو سرحد چین سے ملی ہوئی تھی اور دوسری
طرف خلیج بسکے سے ٹکر کھاتی تھی۔ پس گویا قیصر روم کا دھمکی دینا بارود مین شتابہ ہوگیا
اور عبدالملک بن مروان نے خالد بن یزید بن معاویہ کے صلاح ومشورہ سے جن کو

بوجہ علم فضل اور دانش وفرہنگ کے حکیم بنی امیہ کا معزز خطاب دیا گیا ہے سنہ ۷۶ھ
مین اسلامی سکہ بنانا شروع کیا گیا مختلف تاریخون کے دیکھنے سے ایک عجیب
اختلاف معلوم ہوتا ہی کیونکہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سنہ ۷۴ھ مین سکہ ضرب ہوا
اور اکثر کا اسپر اتفاق ہے جیسا کہ ہمنے بھی لکھا ہے کہ سنہ ۷۶ھ مین سکہ کا رواج ہوا
لیکن اگر خود سکون کو علامہ مقریزی کے بیان سے مقابلہ کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا
ہے کہ ابتدا مین جو سکہ عبد الملک نے بنوایا تھا اُسمین بڑی حد تک رومی شان قائم
رکھی گئی تھی یعنی اُس مین عبد الملک نے خود اپنی تصویر بنوائی تھی جس کی کمر سے
تلوار لٹکتی تھی - اب ہم چند قدیمی سکون کی تفصیل بتاتے ہین -

(۱) طرف اول - رومی طرز کی مورت سر پر تاج اُس پر صلیب - سیدھے ہاتھ
مین ایک کرہ اُس پر صلیب اور اُسکی داہنی طرف لفظ "حمص" عربی خط مین
اور بائین طرف یونانی لفظ KAAN عمدہ -

طرف ثانی - حرف M اُس پر ایک ستارہ اور دو دائرہ اور حاشیہ پر
یونانی لفظ IMECHC اور اُسکے نیچے عربی لفظ "طیب" -

(۲) طرف اول - رومی طرز کی مورت جسم سیدھا ہاتھ اوپر کو اٹھا ہوا برچھا لیے
ہوئے دوسرے ہاتھ مین ایک کرہ جس پر صلیب چڑھی ہوئی - بائین طرف
"بسم اللہ" سیدھے طرف ۸۰ ل

طرف ثانی - M اُس پر صلیب - حاشیہ IMEHC اُس کے نیچے
"طیب" -

(۳) طرف اول - دو قد آدم مورتین ہر ایک کے ہاتھ مین عصائے شاہی
جس پر صلیب لگی ہوئی اور اُن مورتون کے بیچ مین "محمد رسول اللہ" اور حاشیہ
پر "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" -

(۴) طرف اول - قد آدم مورت بال بڑے بڑے اور ایک طرف کمر سے تلوار
لٹکتی ہوئی اور حاشیہ پر "محمد رسول اللہ" -

طرف ثانی - M حاشیہ پر ایلیا "فلسطین" -

(۵) طرف اول - مورت نصف جسم چہرہ سامنے اور بال لنبے حاشیہ پر "لا الہ الا اللہ"

طرف ثانی - مٹا ہوا -

(۶) طرف اول - کھڑی ہوئی صورت چوغہ پہنے ہوئے ہاتھ سینے تک اٹھا ہوا اُس ہاتھ مین تلوار کا غلاف جو کمر سے لٹکتی ہے اور حاشیہ پر خط کوفی مین "بعبد اللہ عبد الملک امیر المومنین" لکھا ہوا -

طرف ثانی - ایک صلیب جس کا سرا چار سیڑھیون پر قائم ہے اُس کے سیدھے طرف "نقشرین" اور اُسکے الٹے طرف "واف" حاشیہ پر "لا الہ الا اللہ وحدہ محمد رسول اللہ"

(۷) دینار طلائی - طرف اول - وسطین -

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ"

حاشیہ پر -

"محمد رسول اللہ ارسلہ بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ"

طرف ثانی - وسطین -

"اللہ احد اللہ الصمد لم یلد و لم یولد"

حاشیہ پر -

"بسم اللہ ضرب ہذا الدینار فی سنۃ سبع و سبعین"

(۸) درہم نقروی - طرف اول - وسط -

"لا الہ الا اللہ
وحدہ لا شریک لہ"

حاشیہ پر -

"بسم اللہ ضرب ہذا الدرہم فی سنۃ تسع و سبعین" اور حاشیہ پر پانچ علامات وقف (ہ) -

طرف ثانی -

"اللہ احد اللہ
الصمد لم یلد و
لم یولد و لم یکن

لہٗ کفواً احد۔"

حاشیہ پر

"محمد رسول اللہ ارسلہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ و لو کرہ المشرکون۔"
ان سکون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نمبر ۲ وغیرہ غالباً وہی سکے ہین
جنکے ابتدا مین ضرب کئے جانیکا علامۂ مقریزی نے ذکر کیا ہے اور اس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ مورخون کے جو بیانات دربارۂ تقدیم و تاخیر ہین اُنمین درحقیقت کوئی اختلاف
نہین ہے کیونکہ رومی طرز کا سکہ پہلے سے ضرب ہوتا تھا مگر خاص عربی عبارت کا سکہ
سنہ ۷۶ھ مین ضرب ہوا۔ اگر دوسرے پہلو سے ان سکون پر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو
معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہمنے پہلے بیان کیا ہے کہ کس قدر آہستہ آہستہ خالص اسلامی
سکہ کے ترویج کے لئے راستہ صاف کیا گیا ہے۔ سکہ نمبر (۱) مین تو کوئی تصرف
سوائے اسکے نہین کیا گیا کہ کوفی خط مین لفظ "بخص" لکھدیا گیا تاکہ معلوم ہوجائے
کہ یہ سکہ ممالک اسلامیہ مین مضروب ہوا ہے اور دوسری طرف اس خیال سے
کہ لوگ اسکو جدید سمجھ کر کہین بُرا یا جعلی نہ سمجھین لفظ "طیب" منقوش کردیا گیا۔ دوسرے
سکہ مین رومی و عیسائی علامتون کو قائم رکھکر "بسم اللہ" کو داخل کردیا گیا ہے اور
دوسری طرف رفع شک کے لئے پھر لفظ "طیب" لکھا گیا ہے۔ تیسرے سکہ مین رومی
و عیسائی علامتون کو قائم رکھکر ساتھ کے ساتھ اپنے مذہبی اعتقاد کا بھی اعلان کردیا گیا
اور ایک طرف دو صلیبون کے مابین "محمد رسول اللہ" اور دونون طرف حاشیہ پر
"لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ" لکھدیا گیا تثلیث و توحید کا یہ عجیب اتحاد ہے اور اس
سکہ پر "طیب" کے لفظ کے ہونے سے پایا جاتا ہے کہ اب لوگ اسلامی سکے سے مانوس
ہو چلے تھے چوتھے سکے سے اور بھی ترقی ظاہر ہوتی ہے کہ علامت صلیب غیر موجود ہے
اور پانچوین سکہ مین تو خالص وحدانیت کا اظہار ہے گو کہ ایک صورت بھی موجود ہے
چھٹے سکہ مین پوری طرح پر اعلان کردیا گیا ہے کہ یہ سکہ خلیفۂ اسلام کا ضرب کیا ہوا ہے
مگر اُسی کے ساتھ بنظر احتیاط علامت صلیب کو قائم رکھا ہے گو کہ اُس کی شکل ایسی
بدل دی ہے کہ چاہو تو اُسے کچھ اور سمجھ لو اور رفع شک کے لئے لفظ "واف"
بھی لکھدیا ہے۔ یہ چند سکے مسی ہین اور اس سے اور بھی اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ

اپنا سکہ جاری کیا اور اسمین بعض عبارتونکا اضافہ کیا۔ اُسکی صورت یہ تھی۔

طرف اول ۔ وسط مین ۔

لا الہ الا

اللہ وحدہ

لا شریک لہٗ

اُس کے گرد "لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ"

اور حاشیہ پر

"بسم ہ اللہ ہ ضرب ہ بجی ہ

سنتہ ہ ثمان ہ وعشرین ہ ومئتہ ہ"

طرف ثانی ۔ وسط مین ۔

"اللہ احد اللہ

الصمد لم یلد و

لم یولد و لم یکن

لہٗ کفواً احد"

حاشیہ پر حسب معمول "محمد رسول اللہ ارسلہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علے

الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" مگر علامات وقف نہ تھین ۔

یہ پہلا سکہ ہے جو علاوہ خلفائے وقت کے کسی شخص نے چلانکی جرأت کی لیکن اس

باغی نے بھی اصلی عبارت کے بدلنے کا خیال نہین کیا بلکہ فقط ایک ایسی عبارت بڑھا دی

جس سے اُسکی پالیسی کا اظہار ہوتا تھا۔

اگرچہ کوئی خاص ضرورت نہین ہے لیکن غالباً اس امر کا بتانا دلچسپی سے خالی نہوگا کہ خلفائے

بنی عباس مین پہلا درہم جو عبداللہ السفاح نے ۱۳۲ھ مین تخت نشینی کے بعد مضروب کرایا اُسمین

بھی بنی اُمیہ کے درہم سے کچھ زیادہ تغیر و تبدل نہین کیا گیا بلکہ اُسکو تقریباً اُسی حالت پر قائم رکھا۔

البتہ وہ آیات قرآنی جنکے منقوش کئیے جانے پر اہل تقویٰ کو اعتراض تھا خارج کر دی گئین۔

اُسکی صورت یہ ہے ۔

طرف اول ۔ وسط مین ۔

لاالہ الا
اللہ وحدہ
لا شریک لہٗ"

حاشیہ پر۔
"بسم اللہ ضرب ہذا الدرہم۔
بالکوفۃ سنۃ اثنین وثلثین ومئۃ"۔

طرف ثانی۔ وسط مین۔
"محمد
رسول
اللہ"

حاشیہ پر۔
"محمد رسول اللہ ارسلہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلّہ ولو کرہ المشرکون"۔

منصور کے زمانے مین اس قدر ترمیم ہوئی کہ طرف ثانی مین ولیعہد کا نام سطر زیر درج ہونے لگا۔
"بما امر بہ
المہدی محمد
بن امیر المومنین"

اور مہدی کے زمانے سے خلیفہ کا نام لکھا جانا شروع ہوا اور ہرون الرشید کے زمانے مین یہ رواج عام ہوگیا کہ جس صوبہ کے دار الضرب مین سکہ مضروب ہوتا تھا وہان کے والی کا نام بھی اُسپر منقوش کیا جاتا تھا چنانچہ ایسے اکثر درہم اور بعض دینار ہمارے ذخیرہ مین بھی موجود ہین۔ اسلامی سکہ بنی عباس کے دور کے آخر تک تھوڑے تھوڑے اختلاف سے قریب قریب اسی شکل پر رہا۔

چونکہ قدیم سے سکہ اور خطبہ علامت شاہی رہا ہے اور مسلمانون مین صدہا حکمران خاندان ہوئے ہین اُس لیے اسلامی سکہ کا مضمون نہایت دلچسپ اور اُس سے تاریخ پر گہری روشنی پڑسکتی ہے لیکن اُسکے لیے ایک ضخیم کتاب چاہیئے۔

[illegible]

سے باتین کرتے ہوئے تنظیم ہو سکے ہین، اپنے اقلمون کتبون سے کتب خانون کا کام دیتے ہین لیکن برخلاف اسکے اہل بابل نے جو قدامت مین اہل مصر سے کم نہ تھے مگر علم مین ان سے بہت بڑھے ہوئے تھے کیونکہ دنیا کی موجودہ ترقی کی بنیاد انھین کے بابرکت ہاتھون نے ڈالی تھی، ابتدا ہی مین ترویج علوم کی طرف توجہ کی اور چونکہ ہر زمانے مین ہر قوم اپنی ضرورتین انھین چیزون سے پوری کیا کرتی ہے، جو آسانی سے ہاتھ آسکتی ہین، اور سرزمین بابل مین دجلہ و فرات کی طغیانیون کی بدولت عمدہ قسم کی چکنی مٹی بہ کثرت دستیاب تھی، اس لیئے انھون نے مٹی کی کچی اینٹون یا تختیون کو جنھین بعد مین پکا دیا کرتے تھے، تحفظ و ترویج علوم کا ذریعہ بنایا، اور اس قسم کی کُلی کتابون سے بڑے بڑے کتب خانے قائم کیئے۔ اگرچہ اہل بابل کے علوم کی جھلک ہم تک بواسطہ در واسطہ اہالی آسیریا و فینشیا و یونان کے ذریعے سے پہونچی ہے لیکن افسوس ہے کہ زمانے نے اُن کے علمی ذخیرون کے ساتھ اچھا سلوک نہین کیا گو اہل یورپ کے محنت طلب علمی تجسس نے جستہ جستہ اُن کی گلی کتابون کو اُن کے بھولے ہوئے شہرون کے کھنڈرون سے نکالا ہے، لیکن جو عظیم الشان کتب خانے اُن کے علم پرست بادشاہون نے قائم کیئے تھے، وہ ریگ زار مین ایسے نہین دبے کہ نکالے سے نکل سکین، قدیم کتبون سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل کیا دنیا کا سب سے پہلا کتب خانہ شاہ سارگن نے، جو حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے تین ہزار آٹھ سو سال پیشتر گذرا ہے، قائم کیا تھا، اس بادشاہ نے ایک ضخیم کتاب تنویر بیل کے نام سے تصنیف کرائی تھی جو بہتر جلدون مین تھی اور جس مین علم ہیئت و نجوم کے مسائل پر تفصیل سے بحث کیگئی تھی، بادشاہ سارگن کے کتب خانے کے علاوہ ایک مشہور کتب خانہ سنقریا لارنیسا مین تھا، جس مین خاصکر علوم ریاضی کے متعلق کثرت سے کتابین جمع کی گئی تھین۔ اور ایک اور قدیم کتب خانہ نیپور مین تھا، اور اسیطرح ارک اور رکوتھا کے کتب خانے بھی قابل ذکر ہین تو بخت نصر کے زمانے مین، جو ۶۰۴ ق۔م مین گذرا ہے دو عظیم الشان کتب خانے خاص بابل مین قائم ہوئے تھے، مگر اُن سب کتب خانون کا صرف نام ہی نام باقی ہے۔

اہل بابل کے برخلاف اہل آسیریا، جو انھین کے ایک شاخ تھے اس بارے مین زیادہ خوش قسمت تھے۔ چنانچہ جو کوشش نینوا کے کھنڈرون کے کھودنے مین ہوئی زیادہ بارآور ثابت ہوئی ہے اور ایک پورا کتب خانہ جو شاہان اسیریا کی علم پروری

یادگار سے ہاتھ آگیا ہو اگرچہ سلطنت اسیریا کی قدامت کا پتہ سنہ ۱۹۰۰ ق۔م تک ملتا ہے
لیکن چونکہ علمی ترقی کے لیئے استحکام سلطنت اور تمدنی ترقی لازم ہے اس لیئے معلوم ہوتا ہی
کہ ایک عرصہ دراز تک کسی بادشاہ کی توجہ اس طرف نہیں ہوئی لیکن سنہ ۱۱۲۰ ق۔م
مین جب تغلت پلیسر ثالث تخت نشین ہوا تو اس نے اتنا کیا کہ قدیم سلاطین کے کتبون کو
دست فنا سے محفوظ کرنے کے لیئے جمع کیا اور اُن کی نقول سے ایک کتب خانے کی
بنیاد ڈالی اور اسکے بعد شاہ سارگن نے جو ۷۲۲ ق۔م تک حکمران رہا بعض رسالے
علم ہیئت و نجوم وغیرہ کے داخل کرکے اُس کو اور وسعت دی۔ سارگن کا بیٹا سناکرب
جو ۶۸۱ ق۔م تک تخت نشین رہا تاج شاہی کے ساتھ ذوق علمی کا بھی وارث ہوا
تھا اور اُس نے قوانین اسیریا کا مجموعہ اور چھوٹے چھوٹے تاریخی اور مختلف قسم کے علمی
رسالے داخل کتب خانہ کیئے اور اُسی نے کتب خانے کو قلاہ سے نینوا مین بھی منتقل کیا
اُس کے بعد اُس کے خلف الرشید اسرحیدن (المتوفی سنہ ۶۶۸ ق۔م) نے اس مین
بہت سے تاریخی اور مذہبی کے رسالے شریک کیئے۔ اگرچہ اس خاندان کے تمام
بادشاہ علمی قدردانی کے لحاظ سے آفتاب تھے لیکن علمی دُنیا کا سب سے بڑا محسن
اسرحیدن کا بیٹا اور جانشین اشر بنی پال تھا جو ۶۲۶ ق م مین اپنا نام پردہ عالم پر
ہمیشہ کے لیئے یادگار چھوڑ کر راہی مُلک عدم ہوا۔ اُسکی اُولوالعزمی صرف بیرونی فتوحات
اور اندرونی انتظامات ہی پر محدود نہ رہی بلکہ اُس کے علمی ذوق نے بابل کے مٹے
ہوئے علوم کو بھی حیات جاوید بخشی۔ اُس کے مبارک عہد مین ہزارہا منقوش تختیان
جو تقریباً ہر علم و فن کے متعلق اور ہر مقام سے لائی گئی تھین نینوا کے کتب خانے مین
داخل ہوئین۔ اور اُس کے کتبون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ایسی
محنت سے جمع کرنے کی غرض صرف رفاہ خلق اللہ تھی کہ لوگ عام طور پر اس بے نظیر
علمی ذخیرہ سے فیضیاب ہون اور رعایا مین علم کی اشاعت ہو۔ اشر بنی پال نے اس
کتب خانے کو ایک عالیشان محل مین رکھا تھا جو سلطنت اسیریا کی بربادی کے ساتھ
تباہی کے نذر ہوا لیکن نینوا کے عبرتناک کھنڈرون نے اُس کو کئی ہزار برس تک اپنے
سینے مین امانت کیطرح محفوظ رکھا یہان تک کہ اہل یورپ کی اولوالعزمی نے صدہا
کے حق و خاشاک سے اِس بے بہا خزانے کو نکالا۔ یہ بھی حسنِ اتفاق یا اُن قدیم لوگون کی

کہ اس قدیم زمانے مین بھی مقدمات کے فیصلے محفوظ کیئے جاتے تھے، تاکہ آئندہ بطور نظائر کے کام آئین یا قوانین موجودہ کی ترمیم اور جدید قوانین کی وضع کا ذریعہ بنین۔

ایک اہم صیغہ روایاتِ مذہبی سے متعلق تھا، جنمین سے بہت سی روایتین دوسری قومون سے لیگئی تھین۔ ان روایات مین سب سے زیادہ ذکر کے قابل گلگامیس کا قصہ ہے، جو غالباً حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل مرتب ہوا تھا۔ یہ قصہ بارہ جلدون مین تھا اور ہر جلد کا نام کسی ایک نہ ایک برج پر رکھا گیا تھا اور گیارھوین جلد مین جسکا نام تو تھا طوفانِ نوح کے متعلق وہ روایت درج تھی جو اہالی بابل مین مشہور تھی جس سے طوفانِ نوح کے اس قصے کی جو عہد قدیم مین درج ہے پوری تصدیق ہوتی ہے۔ گلگامیس غالباً وہی شخص ہے جسکا ذکر نمرود کے نام سے عہد قدیم مین آیا ہے۔ اسیطرح بہت سی تختیو نپر مختلف قسم کی روایتین اور حکایتین درج تھین، اور بعض پر بھوت پلید دیکے قصے اور انکے اتارنے کے منتر ثبت تھے۔

ایک شاخ دیومالائی سے تعلق رکھتی تھی اور اسمین جو تختیان تھین انپر دیوتاؤنکی فہرستین اور انکے ہما اور صفات اور مندرون کی تفصیل مندرج تھی، اور بعض تختیو نپر مختلف دیوتاؤنکی شان مین مناجاتین اور وہ دعائین جو مختلف درجے اور طبقے کے لوگونکو خاص خاص موقعون پر مثلاً جبکہ کوئی مصیبت نازل ہو، یا جنگ مین شریک ہونا پڑے، مانگنی چاہئین منقوش تھین۔

اہل اسیریا کا علمی تجسس زمین ہی تک محدود نہ رہا، بلکہ انکی فکر بلند پرواز نے آسمان تک بھی رسائی پیدا کی تھی، چنانچہ ان کی کتابون کا ایک بڑا ذخیرہ علم ہیئت سے متعلق تھا، اسمین اجرام فلکی کی اشکال اور گردشونکی کیفیت تحریر تھی اور مختلف آثار اور مناظر فلکی کی بھی توضیح کیگئی تھی شاہان اسیریا نے اس عظیم الشان قدیم تصنیف کا بھی ترجمہ اپنی زبان مین کرایا تھا، جو توریت کے نام سے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے سارگن شاہ بابل کے زمانے مین (۷۲) جلدونمین تصنیف ہوئی تھی۔ اس کتاب کا ترجمہ یونانی زبان مین بھی مورخ برسس نے کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ آج نہ اصل کتاب باقی ہے اور نہ یونانی ترجمہ، لیکن خوش قسمتی سے آسیری ترجمہ کی فہرست کا ایک حصہ موجود ہے جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمین سورج اور چاند کے قران اور مریخ اور مشتری کی گردشون اور دمدار ستارون پر بھی توضیح ان الفاظ مین کیگئی تھی، وہ سلسلے جو لیس بنت دم اور پیشانی پر تاج رکھتے ہین۔ مکمل رسالے تھے چونکہ جوتش یا نجوم بھی علم ہیئت کی ایک شاخ سمجھی جاتی تھی، اسلیئے اسکے متعلق بھی بہت سی تختیان تھین جنمین ثوابت اور سیارون کی تاثیرات پر بحث کیگئی تھی۔

ایک نہایت دلچسپ صیغہ حیوانات و نباتات و معدنیات سے متعلق تھا، جسمین چرپایون، پرندون، حشرات الارض، گھاسون اور پتھرون وغیرہ کی فہرستین اُنکے اقسام وانواع کے لحاظ سے ضبط تحریر مین لائی گئی تھین اور اُنمین سے ہرایک کی تاثیرات پر بھی بحث کیگئی تھی۔ دھاتونکی فہرستین بھی بعض تختیون پر اس تفصیل کے ساتھ کہ وہ کس کام مین آتی ہین لکھی گئی تھین؛ اور بعض پر مختلف قسم کی کھانے پینے کی چیزون کی فہرستین درج تھین۔

ایک چھوٹی سی شاخ ریاضی وحساب سے تعلق رکھتی تھی اور اُسمین بعض لگی رسالے ایسے بھی تھے، جنمین جذر مربع ومکعب نکالنے اور پیچیدہ سوالات کے حل کرنیکا طریقہ بتایا گیا تھا، مختلف اعداد کے مربعون اور مکعبون کی جدولین آج تک موجود ہین۔

یہ کُل کتب خانہ جن علوم وفنون پر حاوی تھا، وہ زیادہ تر کلدانیون اور بابلیون کی جولانیِ طبع کا نتیجہ تھے۔ اور چونکہ وہ پہلے سے ایک اجنبی زبان اور غیر مانوس خط مین قلمبند تھے، اس لیے شاہان اسیریا کو انھین اپنی زبان مین لانیکے لیئے ترجمہ کا بھی بڑا اہتمام کرنا پڑا اور اکثر کتابون کے نہ صرف ترجمے کرائے گئے، بلکہ بہ لحاظ دقتِ مضامین اُن پر مبسوط شرحین بھی لکھی گئین چنانچہ اسی ضرورت سے علوم صرف ونحو بھی مدوّن ہوا اور لغات کی کتابین بھی تصنیف ہوئین، جنمین بابلی اور اسیرین دونون زبانونکی خصوصیات پر بحث تھی۔

یہ کُل تختیان بڑی چھوٹی سب قسم کی ہوتی تھین، یعنی اگر کوئی طول مین ایک فٹ ہوتی تھی، تو کوئی ایک ہی انچ اور اُن کے چارون طرف خشک ہونیسے پہلے لوہے یا پیتل کو کدار قلم سے لکھتے تھے اور خشک ہونیکے بعد اُنکو آوے مین پکا لیتے تھے۔ حروف بعض اوقات اسقدر باریک ہوتے تھے کہ کلان بین سے بھی مشکل سے نظر آسکتے ہین اور خط وہی قدیم پیکانی تھا، جو زمانۂ قدیم مین کلدانیا اور بابل اور ایران مین مروج تھا اور جسکو یہ نام حروف ابجد کے تیر نما ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ اس قسم کی تیس ہزار سے بھی زیادہ تختیان اسکے کتب خانے مین جمع کی گئی تھین اور یہ خوشی کی بات ہے کہ اُنمین سے بہت سی برٹش میوزیم اور یورپ وامریکہ کے دوسرے ملکونکے عجائب خانون مین آج تک دنیا کے قدیم تمدن پر گہری روشنی ڈالنے کے لیئے موجود ہین۔

کاغذ کا رواج اسلام مین

انسانی ترقی پر اگر غور سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان موجودہ شایستگی کے درجہ تک بہت ہی آہستہ آہستہ قدم بڑھا کے پہنچا ہے۔ یہ کلیہ کسی چیز کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ اس قدر عام ہے کہ کوئی چیز نہین جس پر منطبق نہ ہو سکتا ہو۔ سب سے پہلی چیز جو انسان کی ترقی کا باعث ہوئی زبان ہے جس کی مدد سے تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ لیکن زبان بھی ایسی چیز تھی جسکا اثر بہت ہی غیر مستقل اور ناپائدار تھا۔ وہ اثر جو زبان سے پیدا ہوتا ہے اُس کی زیادہ سے زیادہ ترقی یہ تھی کہ صرف چند آدمیون کے گرد مین محدود رہتا یا علم سینہ کی کمک سے چند پشتون تک قائم رہ سکتا تھا لیکن جب علم بڑھنے لگا اور اُس کے محفوظ رکھنے مین قوت حافظہ عاجز نظر آئی تو ضرورت نے کتابت کی ایجاد کی طرف متوجہ کیا۔ جس کی بدولت علم کی بنیاد اس قدر مضبوط ہو گئی کہ علمار کو زندگی جاوید نصیب ہوئی۔ اور ہر شخص متقدمین و رنیز اپنے معاصرونکی علمی تحقیقات کا وارث بن گیا۔

مسلمانون مین اس کی ایک عین اور نمایان مثال بھی موجود ہے۔ علم حدیث جس سے جناب رسالتمآب روحی فداہ کے ملفوظات کا محفوظ کرنا مراد ہے ابتدا اور اسی شان مین تھا کہ صرف [illegible] تابعین کے سینون مین تھا۔ لیکن ایک صدی بھی نہین گزرنے پائی تھی کہ اُن مقدس کلمات کو تحریر مین منضبط کرنے کی ضرورت ظاہر ہو گئی۔ اور باوجود بعض علمار خلاف تھے اور ایک آدھ حدیث بھی اس کے خلاف نقل کیجاتی تھی مگر ہر جگہ علمار اُٹھ کھڑے ہوئے اور احادیث کی تدوین و ترتیب مین

مشغول ہو گئے۔
بہرحال زمانہ نے خود ہی کتابت کی ضرورت ظاہر کی۔ لیکن کتابت کی ایجاد کے ساتھ ہی ایک اور چیز کی ضرورت معلوم ہوئی۔ جس کے بغیر کتابت کا ہونا اور نہ ہونا یکسان تھا۔ وہ کیا چیز تھی؟ سامان کتابت۔ جس طرح پانی اپنے لئے کسی نہ کسی طرح راستہ پیدا کر لیتا ہے اسی طرح جو ضرورت پیدا ہوتی ہے اس کے پورے ہونے کا بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ ہاتھ آ ہی جاتا ہے۔

دنیا مین مختلف زمانون مین مختلف چیزون پر لکھنے کا رواج رہا ہے۔ اور غالباً سب کے پہلے انسان نے دیوارون اور پتھرون پر لکھنا شروع کیا۔ لیکن جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی دشواریان نظر آئین تو لوگ مٹی کے برتنون پر لکھنے لگے چنانچہ مصر کی زمین سے سیکڑون ایسے برتن نکلے ہین اور نکلتے آتے ہین جن پر حساب اور مختلف قسم کی دستاویزین وغیرہ لکھی ہین اور ہزارہا ایسے کتابے اب بھی وہان کی خاک مین دبے پڑے ہین جن کو قدامت پسند نگاہین ہر وقت ڈھونڈھتی رہتی ہین اور شوق کے ہاتھون سے لئے جاتے ہین۔ اسیطرح قدیم اسیریا (اسریانیا) کے باشندے بھی اور کچی اینٹون پر لکھا کرتے تھے جو مقدس تبرکات کی طرح آج بھی وہان سے نکل کے یورپ کے عجائب خانون مین پہونچتی ہین۔ اور جنکو بڑی دقتون کے بعد پڑھ پڑھ کے مورخین یورپ نے اسیریا کی تاریخ مکمل کر لی ہے۔

فلزات کا دنیا مین جب عام طور پر رواج ہوا تو لکھنے والے لوہے تانبے سیسے اور پیتل کے پترون کو بھی کام مین لانے لگے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ جو چیز لکھنے کے کام مین لائی جائے اُس کے لئے چند صفات ضروری ہین اول یہ کہ اُس کی سطح صاف اور نرم ہو تاکہ لکھنے مین آسانی ہو۔ دوسرے پائدار ہو تاکہ مدتون تک قائم رہ سکے۔ تیسرے ہلکی اور سبک ہو تاکہ نقل حرکت مین دشواری نہ پیدا ہو۔ مٹی کے برتنون اور فلزات مین یہ صفات پوری طرح موجود نہ تھے۔ اور اسی وجہ سے آج سے ساڑھے چار

ہزار سال پیشتر مصر کے قدیم شایستہ اور مہذب لوگون نے دوسری اشیا کی طرف نظر دوڑائی۔ اور اُن کے طباعی نے ایک درخت کو منتخب کیا جسے مصری زبان مین ہپیار اور یونانی زبان مین پپائرس کہتے ہین۔ یہ درخت اگرچہ اب مصر سے معدوم ہو گیا۔ لیکن ممالک نوبہ و حبش مین آج بھی پایا جاتا ہے۔ اس کی جڑ آدمی کی کلائی کے برابر موٹی اور تقریباً دس ہاتھ سطح زمین سے اوپر نکلی اور قائم ہوتی ہے جس سے پھوٹ پھوٹ کے چھوٹی چھوٹی جڑین زمین مین پیوست ہو جاتی ہین۔ ورنہ کوئی چار ہاتھ لمبا مثلث نما مخروطی شکل کا ہوتا ہے۔ اور بلندی پر باریک باریک پتے مورچھل کے طور پر لٹکتے تھے۔ مصری لوگ اس کے پتہ کو ہار بنا کے دیوتاؤن پر چڑھاتے تھے۔ اور باقی حصہ مین بھی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو دوا یا غذا کے طور پر استعمال نہ کرتے ہون۔ اس درخت کے تنہ سے اُنھون نے لکھنے کا سامان بھی فراہم کیا۔

یہ عہد عتیق کا مصری کاغذ اس طرح بنایا جاتا تھا کہ اُس درخت کے تنے کے تیز چھریون سے باریک باریک ورق اتارتے تھے۔ اور کسی بڑے ورق پر قدرتہً ان ورقون کو جماتے جاتے تھے جب یون تہین جما کے ایک بنڈل یا مٹھا بنا لیتے تو اُسے دریائے نیل کے پانی مین غوطے دیتے۔ اور خوب غوطہ دے لینے کے بعد شکنجے مین کس کے دھوپ مین سکھا ڈالتے۔ اور جب خوب سوکھ چکتا تو موگریون سے کوٹتے۔ کوٹنے کے بعد کھول کے ورق ورق علحدہ کرتے اور ان پر ہاتھی دانت کی تختیون یا بڑی کوڑیون سے مہرہ کرتے۔ اور چونکہ یہ ورق طول مین ہاتھ ہاتھ بھر سے زیادہ نہ ہوتے تھے لہذا جس طرح بچے مختلف خطوط کو جوڑ جوڑ کے مکتوب بناتے ہین اسی طرح وہ لوگ اس قسم کے بیسیون ورقون کو جوڑ کے لکڑیون پر لپیٹ دیا کرتے اور مکتوب کی شکل بنا لیتے تھے یہی وہ کاغذ ہے جسکو عربی مین قرطاس کہتے ہین۔ قرطاس کا لفظ بھی یونانی زبان سے لے کے معرب کیا گیا ہے۔ مصر مین ایک پرانی قبر سے ایک کتاب نکلی ہے

جہاں بہت سے نقصانات ہیں وہاں یہ فائدہ بھی ہے کہ فریقین ایک دوسرے سے مفید باتوں کے سیکھنے کا موقع ملتا ہے جس سے دونوں کو ترقی کے اسباب ہاتھ لگتے ہیں۔ تاتاریوں اور چینیوں میں چونکہ ہمیشہ لڑائی رہا کرتی تھی اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ روئی کے کاغذ کا علم سب سے پہلے ترکستان والوں کو بعض چینی قیدیوں کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ اور چونکہ تمدنی ضرورتوں کے لحاظ سے یہ ایک ضروری چیز تھی۔ اس لیے چند ہی روز میں کاغذ سازی کے بعض کارخانے سمرقند میں قائم ہو گئے۔

جزیرہ نمائے عرب میں سنہ عیسوی شروع ہونے کے کئی ہزار سال پیشتر یمن کے قبائل حمیری نے تمدن میں بہت نمایاں ترقی کی تھی۔ انہیں بھی لکھنے کا رواج تھا اور مصریوں کی طرح وہ بھی مٹی کی تختیوں یا پتھر کی سلوں پر لکھا کرتے تھے[1] کئی صدی بعد جب رومیوں نے ملک عرب پر حملہ کیا تو گو کہ ناکامی کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ مگر یہ ناکامی بھی تاجرانہ تعلقات قائم ہونے میں بہت معین ہوئی۔ اور زمانہ جاہلیت ہی میں عربی کاروانیں تجارت کا مال لیکر شام کو جانے لگیں۔ ان تعلقات تجارت کی بدولت انہیں دنوں عربوں میں بھی چمڑے پر لکھنے کا رواج ہو گیا۔ لیکن چونکہ چمڑہ کثرت سے اور ضرورت کے موافق نہیں ملتا۔ اس لیے مٹی کے ٹھیکروں اور ہڈیوں اور پتھروں وغیرہ کو بھی کام میں لاتے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت عرب میں قرطاس کو بھی لوگ جانتے تھے۔ چنانچہ کلام پاک میں سورۂ انعام میں "قراطیس" کا لفظ موجود ہے۔ عرب کے قدیم تاجرانہ تعلقات مصر و حبش سے ثابت ہیں۔ اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں اہل عرب قرطاس سے بھی واقف نہ تھے۔

اہل عرب بلکہ ساری دنیا کی خوش قسمتی سے اہل عالم کی رہبری کے لیے جب ہمارے سراج نبی برحق مبعوث ہوئے اور کلام اللہ نازل ہونا شروع ہوا تو آیات قرآنی جس شان سے نازل ہوتی تھیں اسی شان سے ہرن کے چمڑے مٹی کے ٹھیکروں اور پتھر کے ٹکڑوں پر لکھ لی جاتی تھیں۔ یہی چیزیں تھیں جن پر قرآن کی

[1] ہپروفیسر سائنس آثار قدیمہ عرب ۱۲۔

گر زیادہ قیمتی اور ان ہونے کی وجہ سے غریب طالب علم دونوں کو کام میں نہ لا سکتے تھے۔ چنانچہ امام ابو یوسف کا ایک واقعہ شاہد ہے کہ ان کی طالب علمی کے زمانے تک درسگاہوں وغیرہ مین ہڈیوں پر لکھنے کا رواج باقی تھا۔

سنہ ۹۴ھ مین جب سمرقند فتح ہوا تو مسلمانوں کے ہاتھ ایک ایسی چیز لگی جسنے چند ہی روز مین قرطاس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اور وہ چیز روئی کا کاغذ تھی جسکے کارخانوں کے سمرقند مین قائم ہونیکا ہم پہلے ذکر کر چکے ہین۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمان اپنے علوم کی تدوین مین نہایت سرگرمی سے مصروف تھے۔ اس لیئے یہ چیز نہایت ہی غنیمت معلوم ہوئی۔ اور چند ہی روز مین تمام بلاد اسلامیہ مین پھیل گئی۔ بڑے بڑے شہرون مین کارخانے قائم ہو گئے۔ اور دمشق مین تو کاغذ کی تیاری مین اسقدر ترقی ہوئی کہ کاغذ کا نام بھی یوروپ مین کئی صدیون تک "کارٹا ڈ ماسکنز" تھا۔ تھوڑے ہی زمانے مین کاغذ کا عام طور پر مروج ہو جانا اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ لائیڈن کے کتب خانہ مین آج بھی ایک کتاب "غریب الحدیث" موجود ہے جو سنہ ۲۵۲ھ مین لکھی گئی تھی۔ یوروپ مین پہلے پہل کاغذ کی تیاری کے کارخانے مسلمانون ہی کی بدولت قائم ہوئے۔ جب مسلمانون نے اندلس کو فتح کیا تو وہان وہ اس صنعت کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اور مختلف شہرونمین کاغذ سازی کے کارخانے قائم کر دیئے جن مین مدینۂ شاطبہ۔ مدینۂ بلنسیہ اور مدینۂ طلیطلہ کے کارخانے بہت مشہور ہوئے۔ اٹلی والون نے کاغذ بنانیکا ہنر جزیرۂ صقلیہ (سسلی) سے سیکھا جو مسلمانون کے زیر حکومت تھا۔ اور وہین سے یہ صنعت رفتہ رفتہ تمام ممالک یوروپ مین شائع ہو گئی۔ اس بارہ خاص مین جو شرف مسلمانون کو اہل یوروپ پر حاصل ہے اسکا نمایان ثبوت اس سے بھی

سنہ امام ابو یوسف: زمانہ طالب علمی بہت غربت اور فقر و فاقہ کا تھا۔ خود بھی فاقہ کرتے تھے اور وہ پاکدامن خاتون بھی جسکو انکی بی بی ہونیکی عزت حاصل تھی۔ ایکدن بہت بھوکے گھر مین آئے۔ کئی دن سے فاقہ تھا اور بیتاب ہو کے بی بی سے کہا "اسوقت تو کوئی چیز لاؤ۔ بھوک کے مارے برا حال ہے" وہ نیکبخت بھی فاقہ سے تھی۔ اور چلی بیٹھی تھی انکے سامنے دسترخوان بچھا دیا اور وہ ہڈیان لاکے ڈھیر کر دین جن پر انھون نے اپنے اساتذہ کے املا (لکچر) لکھے تھے۔ اور کہا "تمھاری کمائی تو یہی ہے اسی کو کھاؤ"۔ تامۂ وخشوران۔

سنہ کتاب الہند بیرونی و انسائیکلوپیڈیا برٹانکا۔

ملتا ہو۔ اگرچہ مسلمانون کے عہد قدیم کی لکھی ہوئی سیکڑون کتابین کتب خانون مین محفوظ ہین لیکن یورپ کی قدیم کتابون مین سے کوئی کتاب سنہ [illegible]ع سے پہلے کے کاغذ پر لکھی ہوئی موجود نہین ہے۔

مسلمانون کی ترقی کے بعد کوئی ایسا مقام نہ تھا جہان کاغذ کا کوئی کارخانہ موجود ہو۔ مگر کشمیر نے خاص و بیز ریشمی کاغذ کے لحاظ سے جو پائداری مین اپنا جواب نہ رکھتا تھا بہت کچھ شہرت حاصل کی۔ لیکن اسپر بھی کشمیری کاغذ چین کے کاغذ پر فوقیت نہ لیجا سکا اور آجتک خان بالیغ یعنی پیکین کے کاغذ کا نام پرانی کتابین ڈھونڈھنے والون کی زبانون پر چڑھا ہوا ہے۔ صفائی کے لحاظ سے جو رتبہ خان بالیغ کو حاصل ہے اور کسی کاغذ کو نہین نصیب۔

اس زمانے مین یورپ مین اگرچہ کاغذ کی ساخت مین بھی دوسری صنعتون کی طرح دخان اور مکینکس کی بدولت بے انتہا ترقی ہوئی ہے۔ لیکن اس کا ذکر اس مضمون مین خارج از بیان ہے۔

[illegible]

[illegible]

مدارات مین فرق نہین آتا۔ اگر اتفاقاً کسی روز کوئی مہمان نہ ملا تو خود ہی جمع ہوکر کھانا کھا لیتے ہین اور اُسکے بعد وجد و سماع اور سرود و طرب مین مصروف رہتے ہین۔ اور صبح کو پھر اپنے اپنے کام پر چلے جاتے ہین۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ جس روز وہ شہر انطاکیہ مین پہونچا اس کے دوسرے روز ایک شخص نہایت بوسیدہ کپڑے پہنے اور سر پر نمدے کی ٹوپی اوڑھے ہوئے شیخ شہاب الدین حمری کے پاس آیا اور اُن سے کچھ ترکی زبان مین باتین کین۔ شیخ نے کہا کہ کچھ سمجھے اسنے کیا کہا؟ مین نے جواب دیا کہ مین زبان ترکی نہین جانتا۔ اسپر شیخ نے کہا یہ شخص تکو مع تمھارے تمام ساتھیونکی دعوت دینے آیا ہے۔ مجھے اس سے بہت تعجب ہوا اور مین نے ٹالنے کیلئے کہہ دیا کہ اچھا، مگر جب وہ چلا گیا تو مین نے شیخ سے کہا کہ یہ بیچارہ بہت غریب معلوم ہوتا ہے۔ استنے آدمیونکی ضیافت کا کیونکر متحمل ہوسکے گا۔ ہم اسکو تکلیف دینا نہین چاہتے شیخ میری زبان سے یہ جملہ سنکر بہت ہنسا اور کہنے لگا کہ اسکے کپڑون پر نہ جاؤ۔ یہ بہت بڑا آدمی ہے۔ اگرچہ یہ موچی کا پیشہ کرتا ہے مگر فتیان واخیہ کے شیوخ سے ہے اسنے اپنے ہم پیشہ لوگون سے دو سو آدمیون کا جتھا قائم کیا ہے اور یہ اُن سب کا پیشوا ہے۔ ان لوگون نے ایک نہایت عمدہ خانقاہ بنائی ہے۔ اور دن بھر جو محنت ومزدوری مین کماتے ہین، وہ رات کو مسافرون کی دعوت مین خرچ کردیتے ہین۔ مغرب کے وقت یہ شخص پھر آیا اور ابن بطوطہ کو مع اسکے ہمراہیون کے لے گیا۔ وہان جاکر کیا دیکھتے ہین کہ ایک نہایت عالیشان مکان ہے۔ جسمین نہایت نفیس اونی قالین بچھے ہوئے ہین اور شیشہ و آلات سے آراستہ ہے۔ روشنی کا سامان بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے محفل مین ایک جماعت نوجوانونکی صف بستہ بیٹھی ہے جن مین ہر شخص گلے مین قبا اور پاؤن مین موزے اور سر پر بڑی ٹوپی پہنے ہے۔ جسکی نوک پر ایک ٹکڑا کپڑے کا جو ہاتھ بھر لنبا اور دو انگل چوڑا ہے لگا ہوا ہے۔ اور کمر مین پیٹی جسمین دو ہاتھ کا لنبا چھرا ہے، لگائے ہوے ہے۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے، تو ہر شخص نے ٹوپی اُتار اپنے سامنے رکھ لی اور ایک چھوٹی ٹوپی ذرہ خال وغیرہ کی جو نہایت خوشنما اور بڑی ٹوپی کے نیچے تھی۔ اپنے سر پر رہنے دی محفل کے بیچ مین تازہ وارد لوگون کے لیے برتن جمائے گئے جب سب لوگ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو بہت کثرت سے عمدہ عمدہ کھانے اور میوے اور مٹھائیان لائی گئین اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ لوگ وجد سماع مین مصروف ہوے

واقعہ پیش آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں ہم ایک اخی کی خانقاہ میں گئے۔ ہمنے اُس سے عربی میں باتیں شروع کیں۔ جنکو وہ نہ سمجھا اور اُسنے ترکی زبان بولنی شروع کی جس کو ہم نہ سمجھے یہ دیکھکر اُس نے ایک شخص سے کہا کہ فقیہ کو بُلا لاؤ وہ عربی جانتا ہے جب فقیہ آیا تو ہمنے اُس سے پہلے فارسی میں اور پھر عربی میں باتیں کیں مگر وہ نہ سمجھا۔ لیکن تھا بڑا چالاک اُسنے اخی سے کہا کہ "ایشان عربی کہنہ می گویند و من عربی نو میدانم" فقیہ کی جہالت اُن لوگوں کے حق میں آب حیات ثابت ہوئی کیونکہ اُن کو فقیہ کی عربی دانی میں تو شبہہ نہ تھا اخی نے عربی کہنہ کے الفاظ سنکر اور بھی اُنکی خاطر و مدارات کی اور سب لوگوں سے کہا کہ یہ لوگ خاصکر واجب التعظیم ہیں کہ قدیم عربی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تھی بولتے ہیں۔

اگرچہ ابن بطوطہ نے صرف اِن لوگوں کی مہمان نوازی اور عام اخلاق اسلامیہ کے حالات ہی لکھنے پر قناعت کی ہے کیونکہ اُسکو زیادہ تر انھیں باتوں کا تجربہ ہوا تھا لیکن اُسنے تمہید میں جو امور بیان کئے ہیں اُن سے اُس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف مسافروں کی خاطر و مدارات تک ہی اپنی کوششوں کو محدود نہ رکھتے تھے بلکہ اُنھوں نے ایک باضابطہ منتظم سوسائٹی قائم کی تھی جس کے فرائض میں اہل احتیاج کو ہر قسم کی مدد دینا داخل تھا۔ اُن کے اپنی کمر میں لمبے لمبے چھرے رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف راہ روؤں کو ڈاکوؤں اور رہزنوں کے پنجے سے نجات دیتے ہوں گے بلکہ مذہبی لڑائیوں میں بھی حصہ لیتے ہونگے غرضکہ اُن تمام فرائض کو ادا کرتے ہوں گے جو عیسائیوں میں نائٹس ٹمپلرز اور نائٹس آف سینٹ جان وغیرہ انجام دیتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سوسائٹی میں داخل ہونے کے لیے کچھ امیر و غریب پیشہ ور یا عہدہ دار سرکاری کی قید نہ تھی بلکہ ہر فرقہ اور گروہ کے لوگ شریک ہو سکتے تھے چنانچہ ہم بتا چکے ہیں کہ شہر انطاکیہ میں اخی فتیان موچی تھا اور قیساریہ کا اخی فتی امیر اعلیٰ تھا جو اُس ملک کے کبائر اُمراء سے تھا۔ اور شہر قرنیہ کے فتیان کا سرگروہ وہاں کا قاضی ابن قلم شاہ تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اِن لوگوں کا لباس بھی یکساں ہوتا تھا اور جس طور پر کہ صوفیوں کا خاص خرقہ ہے اسی طور پر اِن لوگوں کا لباس قوت سوادیان (پاجامہ) تھا۔ اس سے بھی ان لوگوں کے فوجی مذاق کا پتہ لگتا ہے۔

اگرچہ اسلام نے بمقتضاے لا رہبانیۃ فی الاسلام۔ رہبانیت کو اپنے دائرہ سے خارج

[1] رحلہ ابن بطوطہ حالات انطاکیہ۔ ۱۲۔

وہان کا حاکم اُس شہر کے فتیان کا اخی ہوتا ہی اور وہی سلاطین کیطرح مسافرون کی تواضع علی قدر مراتب سواری و لباس سے کرتا ہی اور اوامر و نواہی اور سواری کے جلوس کی ہیبت مین وہ سلاطین کے مثل ہوتا ہی اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ طوائف الملوکی کی کمزوری سے آشنا ہو کر ان لوگون نے اپنی ذاتی ایثار نفسی اور ہمدردی خلق اللہ اور جوش مذہب سے ایک ایسی قوت قائم کی تھی جو کسی عظیم الشان سلطنت کی قائم مقام تھی - قیاس یہ بھی چاہتا ہی کہ یہ سوسائٹی ایشیائے کوچک مین آل عثمان کی حکومت مضبوطی سے قائم ہونے تک باقی رہی ہوگی اور جب آل عثمان نے قوت پکڑ کر اُن تمام فرائض کو اپنے ہاتھ مین لیا ہوگا جو ایک قوی سلطنت سے متعلق ہون تو ضرورت کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے یہ سوسائٹی خود بخود خاتمہ کو پہونچ گئی ہوگی، بلکہ گمان غالب یہ ہی کہ صوفیہ کے جو بہت سے فرقے ہین، اُنھین سے کسی ایک فرقے مین شریک ہو کر عالم فراموشی کی سیر کر رہی ہوگی - معلوم ہوتا ہی کہ جس طرح اکثر طبقات صوفیہ کا سلسلۂ بیعت حضرت علی ابن ابیطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتہی ہوتا ہی - اسی طرح ان لوگون نے بھی اپنا سلسلۂ فتوت خدا سے ملایا تھا اور غالباً یہ نام بھی اسی وجہ سے رکھا گیا تھا کہ پہلے فتی جیسا کہ مشہور ہی - "لافتی الا علی لاسیف الا ذو الفقار" حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی قرار پائے تھے -

پیدا ہوتی ہی اور دیہاتی شان کے کم ہونے سے انسان ترقی کے لئے تیار ہوجاتا ہی
ہندوستان مین ایشیائی قدامت اور مغربی جدت کے تقابل سے موجودہ زمانہ انقلاب
کا زمانہ ہو رہا ہی - قدیم وجدید خیالات مین عجب کشمکش ہی اور یہ زمانہ کی رفتار کا اقتضا ہی کہ گو
قدیمی خیالات کی بنیاد قوت مین کچھ کم نہین ہی لیکن جدید خیالات آگے بڑھتے اور قدیم
خیالات پیچھے ہٹتے جاتے ہین - گو کہ جدید خیالات ہمکو بہت اچھے معلوم نہین ہوتے لیکن
زمانہ کے زبردست ہاتھ ہمکو انھین کے طرف کھینچے لئے جا رہے ہین اور تعلیم یافتہ گروہ
کی یہ کیفیت ہی کہ کبھی تو بخندہ پیشانی اُن کے خیر مقدم کا قصد کرتا ہی اور کبھی کچھ سمجھ کر جھجک کر
رہجاتا ہی غرضکہ حالت یہ ہو رہی ہے کہ اگر ہم دو قدم آگے بڑھاتے ہین تو پھر دو قدم پیچھے
ہٹ جاتے ہین - اس تذبذب کا سبب اگر غور کیا جائے تو سوائے نقص تعلیم کے کچھ
نہین ہی اور اگر اس نقص تعلیم کی تشریح کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دیہاتی شان جسکا
ابھی ذکر ہوا اُس کا جزو اعظم ہی - پس اس زمانے مین ترقی کرنے کے لئے ہمارے لئے
اگر کوئی آلہ ہوسکتا ہی تو وہ سیر و سیاحت ہی اور اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہو تو کم سے کم
دوسرے ممالک کے حالات کا غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے - جدید خیالات کا اصل اصول
ہے آزادی اور آزادی بھی شخصی آزادی اور چونکہ شخصی اعتبارات سے مردون
اور عورتون کو مساوی سمجھا گیا ہی اور ایک کا اثر دوسرے پر بہت کچھ پڑتا ہی اسلیئے
یوروپ مین یہ خیال کیا جاتا ہی کہ کوئی قوم اُسوقت تک کامل ترقی نہین کرسکتی
جب تک کہ مرد اور عورتین میدان ترقی مین دوش بدوش نہون - برخلاف اسکے
ہمارے قدیم رسم و رواج نے ہمکو عورتون کی متابعت کا اسقدر عادی بنا دیا ہے
کہ یہ خیالات ہم کو نہ صرف اجنبی معلوم ہوتے ہین بلکہ اُن سے وحشت ہوتی ہے اور
اگر عالم خیال مین بھی آزادی نسوان کا بھوت ہمارے سامنے آجاتا ہی تو ہم اسکی
بوالعجب صورت اور خلاف توقع حرکات حیرت و نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہین - گو زمانہ ایک
عالمگیر ادا سے اُسکی خوبیونکو جتا جتا کر اشارہ کرتا ہے مگر ہمارے قوائے دماغی کچھ ایسے معطل
ہوجاتے ہین کہ نہ نفرت ہی کرتے بنتی ہے اور نہ رغبت ہی کرسکتے ہین - اگرچہ عام
خیال مین ایک تحریک سی پیدا ہوگئی ہی اور تعلیم نسوان کیطرف میلان پایا جاتا ہی اگر میلان نہین تو ایسی کیفیت
ہوگئی ہی کہ ایک تعلیمیافتہ شخص کو عام جلسون مین اسکی مخالفت گفتگو کرنیکی جراءت نہین ہوتی اور اگر اسکی تائید مین کوئی تقریر کرتا ہو تو

خواہ مخواہ ان مین ہان ملانی پڑتی ہو۔ لیکن ابتدائی ۔ عادت اور رسم و رواج وہ
قوت رکھتے ہین کہ ہم آزادی نسوان کو نہ صرف اپنی طرز معاشرت اور طرز خیال کے
خلاف سمجھتے ہین بلکہ اُس کو اپنے مذہب سے بھی مخالف تصور کرنے مین تامل نہین
کرتے حالانکہ ہمارا سچا مذہب بمقابلۂ عیسائیت کے آزادی نسوان کا بہت زیادہ
مویدہے۔ اگر کسی قوم کے رسوم و رواجات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم
کہ ہر رواج کی ابتدا ایک عمدہ مصلحت سے ہوتی ہے اور جو خرابیان کہ بعد
پیدا ہو جاتی ہین وہ صرف افراط و تفریط یا زمانہ کی ہوا کا رُخ بدل جانے سے
ہوتی ہین اس لحاظ سے اسمین شک نہین کہ عورتون کے پردے مین رہنے کا
طریقہ جو ہندوستان مین مروج ہو وہ ابتداء مین ایک حکیمانہ مصلحت پر مبنی تھا لیکن
اسی کے ساتھ یہ دعوی کرنا کہ یہی طریقہ بالکل احکام شرع شریف کے مطابق ہو اور
اسکے خلاف تمام طریقے ممنوع ہین صحیح نہین ہے۔ اگرچہ پردہ جس طریقے سے کہ ہندوستان
مین مروج ہو وہ ہمارے خاص قومی اور ملکی حالات کے لحاظ سے بالفعل نامناسب
نہین ہے اور نہ پردہ فی نفسہ جیسا کہ اہل یوروپ کا خیال ہو اعلی درجے کی قومی ترقی
کا مانع ہو کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ یونان مین عورتون کے پردے مین رہنے کا عام
طور پر رواج تھا لیکن اہل یونان نے جیسی ملکی اور تمدنی ترقی کی وہ محتاج بیان نہین
ہے اور اسیطرح خود تاریخ اسلام کے روشن صفحے اسکے خلاف شہادت دے رہے
ہین لیکن ہمارا خیال یہ ہو کہ فی نفسہ شرعی پردہ اُس پردے سے سخت تر نہین ہے جسکی
ضرورت کہ تمام مہذب اقوام عورتون کے لیے تسلیم کرتی ہین اور جو کچھ افراط و تفریط
اسمین ہوئی ہو اُسکو مذہب سے کوئی تعلق نہین ہو بلکہ قومی و ملکی خصوصیات کا نتیجہ ہے
اسکا ثبوت اس سے بہتر نہین ہو سکتا کہ دنیائے اسلام پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے
اور دیکھا جائے کہ مختلف ممالک مین باوجود اتحاد مذہب پردہ کے متعلق کیا کیا رواج
ہین۔ یہ بات تو صرف ہندوستان ہی مین ہے کہ پردے کے معنی قید کے سمجھے گئے
ہین۔ عرب و شام مین پردہ تو ہے مگر عورتین قید نہین رہتین اور اب مصر اور ٹرکی
مین اعلی طبقون مین عورتین سوائے اسکے کہ چہرے پر نقاب ڈالتی ہین اسیطرح آزاد ہین
جسطرح کہ یوروپ مین۔ اگرچہ ان ممالک کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہو کہ انمین جو یہ حالت

پیدا ہوئی ہے وہ براہ راست یوروپین شائستگی کا اثر ہے لیکن ہم اس مضمون مین ایک ایسی قوم کے حالات درج کرتے ہین کہ جن پر مغربی تہذیب کا سایہ تک نہین پڑا ہو اور جو ایسے ملک مین رہتے ہین جہان اہل یوروپ کا گذر بھی نہین ہو سکتا۔

افریقہ کے شمال و غربی کونہ مین ایک وسیع مملکت واقع ہے جو ایشیا مین ملک مغرب اور یوروپ مین مراکو کے نام سے مشہور ہے۔ اس ملک مین قدیم سے مختلف اقوام جن کو بربر کہتے ہین آباد ہین اور گو قیام حکومت اسلامیہ کی بدولت انہین سے جو قبیلے کہ شہرون مین آباد ہین اُنہین عربونکا میل کم و بیش ہو گیا ہے لیکن صحرائی قبیلے اپنی اصلی حالت پر قائم ہین۔ اس ملک مین ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ ابتداے اسلام کا مامن رہا ہے اور اہل اندلس نے جب مسلمانون کو اپنے ملک کی رونق کے ساتھ خارج کیا تو اُنھون نے اسی ملک مین پناہ لی۔ اس ملک کے جنوب مین ایک صحراے لق و دق واقع ہے جو سیکڑون کوس تک چلا گیا ہے اور جسکا صاف و شفاف ریت آفتاب کی سیدھی شعاعون کی چمک اور ہوا کے پُر زور بہاؤ کی بدولت سمندر کی طرح موجین مارتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور ہر طرف جہان تک کہ نگاہ کام کرتی ہے سوائے ریگستان کے کچھ نظر نہین آتا۔ اس ریتیلے سمندر مین بھی کہین کہین کوئی بہتا ہوا چشمہ کھجور کے جھنڈ مین گھرا ہوا نظر آجاتا ہے اور اُسکے گرد قدیم آزاد منش اقوام کو آباد ہونیکا موقع مل جاتا ہے۔ اس قسم کے ایک جزیرے مین قوم بربر کا ایک قبیلہ آباد ہے جسکا نام بنی توارغ ہے۔ یہ لوگ پکے مسلمان ہین اور انہین خصوصاً عورتونکے متعلق جو رسم و رواج ہے وہ غور سے مطالعہ کیے جانے کے قابل ہے۔ توارغ مین عورتین بالکل آزاد ہین یہانتک کہ اولاد بھی انہی سے منسوب ہوتی ہے۔ غلام باپ اور آزاد مان کا بچہ آزاد ہوتا ہے چنانچہ اُنکے یہان ایک ضرب المثل ہے کہ بچہ رحم سے رنگ پکڑتا ہے۔ عورت اپنے مال و متاع کی پوری مالک ہوتی ہے اور اپنی ذات اور اپنی اولاد پر کامل اختیار رکھتی ہے۔ وہ مختار ہے کہ جہان چاہے جائے اور جو جی مین آئے کرے صرف اپنے ننگ و ناموس کا خیال رہے انہین لڑکی کی بیس سال کی عمر سے پہلے بہت ہی کم شادی ہوتی ہے اور شادی کے متعلق اُسکو پورا اختیار ہوتا ہے کہ جس سے چاہے کرے والدین کو صرف اتنا اختیار رہے کہ غیر کفو مین نہ ہونے دین۔ مردون سے بہت زیادہ تعداد مین عورتین لکھنا پڑھنا جانتی ہین

گھر کے معمولی کامون کو لونڈی غلامون پر چھوڑ کر وہ اپنا پورا وقت لکھنے پڑھنے فن موسیقی
مین کمال حاصل کرنے اور سینے پرونے مین صرف کرتی ہین اور یہ انھین کی علم دوستی
کا نتیجہ ہے کہ قدیم پربادریسپین مخطوط صفحۂ ہستی سے ناپید نہین ہوئے۔ شام کا وقت نغمہ و
سرود کے لیئے وقف ہے اور اُن کی شیرین آوازین زیادہ تر ایک قسم کا ستار کے دلکش
سُرون سے ملکر آسمان کی طرف اُٹھتی ہین۔ طرز معاشرت کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اپنے شوہر
کے ساتھ کھانا کھاتی ہین اور اُنکے ہر طرح مطیع ہوتی ہین لیکن اگر وہ نکاح ثانی کا نام لیتا ہی
تو اُسکو طلاق دینے پر مجبور کرتی ہین۔ اونٹ کی سواری مین تمام دُنیا کی عورتون سے زیادہ
مشاق ہین بلا اپنی خوبصورت محلون مین حفاظت سے بیٹھکر مردون کے ساتھ دوڑون مین
شریک ہوتی ہین۔ اور بڑے بڑے شہسوارون کو گرد تک نہین پہونچنے دیتین عشق
کے لیئے اکثر چند عورتین ملکر ایک مقام پر جمع ہوتی ہین اور وہ رود و نکل جاتی ہین اور ان
مہمون مین کوئی مرد اُن کے ساتھ نہین ہوتا۔ کبھی کبھی بڑی دھوم دھام سے نغمہ و سرود کے
جلسے ہوتے ہین جنمین بہت دور دور سے مرد آکر شریک ہوتے ہین۔ ان جلسون مین
عورتین گاتی اور طنبورہ اور ربابہ بجاتی ہین۔ شادی کے بعد جس عورت کی مردون مین
جس قدر زیادہ وجاہت ہوتی ہے اسیقدر وہ معزز و محترم سمجھی جاتی ہے اور وہ مجاز
ہین کہ اپنے دوستون کی عباؤن پر پھول پتیان بنائین اور اُن کی ڈھالون پر اشعار
لکھین جن مین اُن کی دلیری کی تعریف اور اُنکی فتحمندی کے لیئے دعائین ہون۔ مرد بھی
اپنی نسائی دوستون کی تعریف مین قصیدہ کہ سکتے ہین اور پہاڑون پر اُن کے نام کندہ
کرتے ہین۔ لیکن اسی کے ساتھ عفت و عصمت کا اسقدر خیال ہے کہ گو عورتین
ہر شخص سے ملسکتی ہین لیکن کسی خاص شخص سے زیادہ اختلاط نہین کرسکتین اور گو
مردونکی حکومت سے بالکل آزاد ہین لیکن زنا کی سزا قتل ہے اور شوہر اس الزام مین
اپنی زوجہ کو قتل کرنیکا مجاز ہے۔ اُن مین عورت و مرد کی دوستی بالکل پاک ہوتی ہے
چنانچہ اُن کے یہان ایک ضرب المثل ہے کہ مردون اور عورتون کی دوستی آنکھون اور
دل کے لیئے ہوتی ہے نہ کہ صرف پلنگ کے لیئے جیسا کہ عرب مین ہے۔

ایک قدیم اسلامی گھڑی

یورپ کی موجودہ ترقی کو اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو اُس کا سب سے بڑا اور قوی سبب یہ ثابت ہوگا کہ اہل یورپ عیسویت کے اخلاقی و روحانی تعلیم کی سخت قید سے نکل کر ہمہ تن مادی ترقی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور لذائذ دنیوی کو زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھنے لگے ہین۔ اسی وجہ سے ہر قوم کی بلکہ یون کہنا چاہیے کہ ہر شخص کی ضرورتین بے انتہا زیادہ ہو گئی ہین جن کی تکمیل کے لیے روز بروز نئی نئی ایجادون کی ضرورت ہوتی رہتی ہے۔

اسلام اگرچہ عیسائیت کی طرح سائنس کا مخالف نہین ہے لیکن اخلاق محمدی کا سایہ ایسا نہ تھا کہ انسان دنیوی لذتون کے پیچھے روحانی برکتون سے بے خبر ہو جاتا اور یہی سبب تھا کہ اگرچہ خالص علمی ترقی مین مسلمانون کا قدم کسی قوم سے پیچھے نہین رہا۔ بلکہ اکثر علوم مین اُن کی انوکھی تحقیقات آج تک مشعل ہدایت کا کام دے رہی ہے۔ مگر صنعت و حرفت اور خصوصاً فن میکنکس یعنی آلات مین جیسی ترقی کہ اس عہد مین ہو رہی ہے اُس کی عشر عشیر بھی مسلمانون کے زمانے مین نہین ہوئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی بے اصل نہین ہے کہ عیسائیت کی طرح اسلام تمدن کا مخالف نہ تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تمدنی ترقی کے ساتھ خواہ وہ کسی درجے تک ہو ایجادات کا ہونا لوازمات سے ہے۔ اصل یہ ہے کہ ضرورت ایجاد کی مان ہے۔ ممکن نہین کہ کوئی ضرورت پیدا ہو اور ذہن رسا اُس کے رفع کرنے کی صورت نہ نکالے۔ اس لیے اگر یہ قیاس کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ عربون نے جب بدویت سے نکل کے مدنیت مین قدم رکھا تو اس کی مناسبت سے بہت سی مفید ایجادین بھی ہوئی ہون گی۔ مگر افسوس ہے کہ ہمارے مورخین نے اُن کو

چھوٹے چھوٹے دروازے لگے ہین۔ پہلے اور اخیر دروازے کے اوپر ایک ایک برنجی عقاب کھڑا ہے اور اُن کے سامنے کسی قدر نیچے کی طرف ایک ایک برنجی پیالہ نصب ہے ہر گھنٹہ کے گذرنے کے بعد عقاب کچھ عجیب ہوش رُبا طرز سے گردنین بڑھا کے پیالے کی طرف جھکتے ہین اور ایسی سُرعت سے جس کا اندازہ نگاہ سے بمشکل ہو سکتا ہے ایک ایک برنجی گولہ اُگل دیتے ہین جو پیالے مین گر کے گھنٹہ کی سی گونج کی نغمہ خیز آواز پیدا کرتا ہے اور فوراً غائب ہو جاتا ہے۔ پیالہ مین ایک سوراخ ہے جسمین سے ہو کے یہ گولے شہ نشین مین پہونچتے ہین اور اُن کے پہونچتے ہی بارہ دروازون مین سے ایک دروازہ [illegible] سے بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر گھنٹے پر ایک دروازہ باری باری سے بند ہوتا رہتا ہے۔ یہان تک کہ شام تک کل دروازے بند ہو جاتے ہین اور اُس کے بعد پھر وہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

یہ بند و بست تو دن کے لئے ہی۔ رات کے لیے کچھ اور ہی انتظام ہے۔ ان چھوٹی محرابون کے اوپر جن مین دروازے نصب ہین ایک بڑی برنجی محراب ہے جس مین بارہ گول حلقے بنے ہوئے ہین۔ اور ہر حلقے کے مقابلے مین دروازے کی پشت پر ایک ایک شیشہ لگا ہوا ہے اور ہر شیشے کے پیچھے ایک خوشنما فانوس رکھا ہے ان مین سے ہر فانوس باری باری سے خود بخود پانی سے بھرتا رہتا ہے اور جہان لبالب پانی بھر گیا یکایک شمع روشن ہو جاتی ہے جسکی تیز شعاعین شیشہ کو منور کرتی ہوئی اُس حلقہ کو جگمگا دیتی ہین۔ اور ہر حلقہ ایک سُرخ نورانی دائرہ کی وضع سے آنے جانے والون کو یہ وقت کا پتہ بتاتا ہے اسی طرح شام سے صبح تک باری باری سے روشن ہوتے ہوتے پورے بارھون حلقے چمک اُٹھتے ہین۔ یہ حیرت انگیز گھڑی تھی جو چھٹی صدی ہجری مین ابن جُبیر کو دمشق مین نظر آئی۔ اور علامہ مذکور کا بیان ہے کہ اُن کے وارد ہونے کے زمانے مین خاص اس گھڑی کے درست رکھنے کے لیے گیارہ شخص ملازم تھے اور [illegible] مین یہ گھڑی [illegible] کے نام سے مشہور تھی۔

جاپان اور یورپ

جب آفتاب تمدن بجائے مشرق سے مغرب مین طلوع ہونا شروع ہوا تو مشرق مین جہالت و اوہام پرستی کی کالی گھٹا چھا گئی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے علوم و فنون جدیدہ کی بجلی یوروپین اقوام کے میل جول کی بدولت ایسی چمکی کہ اُسنے تمام مطلع آسمان کو منور کر دیا دوسری قومین تو اس لڑکھڑاتی چمک سے ایسی محو حیرت ہوئین کہ آنکھین ملتی کی ملتی رہ گئین۔ لیکن اہالی جاپان جو اپنی قومی و تمدنی حالات کے لحاظ سے پہلے ہی سے اس کے منتظر بیٹھے تھے اُنھون نے اُسکی تیز ترچھی ہوئی کرنون کو اپنی عملی قوت سے مقید کر لیا جو بالآخر آفتاب ہو کر چمکین اور چمکین بھی ایسی کہ تمام سرزمین کو مطلع انوار بنا دیا۔ اسمین شک نہین کہ گزشتہ تیس چالیس سال مین جاپان نے جو تیز پا ترقی تمدن یوروپ مین کی ہے اُسنے دُنیا کو حیرت مین ڈالدیا ہے۔ اہالی جاپان کی مردانہ ہمت بحری و بری طاقت۔ تمدنی ترقی اور صنعتی مناسبت نے مہذب دُنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ جن آلات نے یوروپ کو نصف النہار کمال پر پہونچایا ہے وہ ایشیائی[۱] اقوام کے ہاتھ مین بھی ایسے ہی کارگر ثابت ہو سکتے ہین۔ جنگ چین سے پہلے پہلے گو جاپانیون کی ترقی کے چرچے تھے۔ لیکن غالباً خود اُن کو بھی اپنی اصلی قوت کا علم نہ تھا اور اسی جنگ نے خود اُن کی اور دُنیا کی آنکھین کھولین لیکن چونکہ سلطنت چین بالآخر بوسیدہ ڈھچرون کا ایک ناہموار انبار اور قدیم وسوسون اور باطل اوہام کا طوفان بےتمیزی ثابت ہوئی اس لیئے مہذب دُنیا نے عام طور پر جاپان کی بحری و بری عروج کو تسلیم نہین کیا اور اُنکو اُس کی فتحمندی کے واجبی پھلے سے محروم کرنے کی فکر کی۔ اس کے بعد جب پھر چین مین باکسرون کی بغاوت نے ہر طرف آتش فساد مشتعل کی اور ایک ہنگامہ محشر

[۱] یہ مضمون [illegible] لکھا گیا تھا جبکہ جنگ روس و جاپان شروع ہوئی تھی ملاحظہ ہو رسالہ [illegible] زمانہ بابت [illegible]

برپا کر دیا اور جاپانی اپنے پہلے تجربہ کے لحاظ سے امن و امان قائم کرنے کے لیے دوسری
مہذب اقوام کے پیشرو قرار پائے وہ اُن کی تیز رفتار کامیابی اور شائستہ باقاعدگی نے
اقران و امثال کو حیرت مین ڈال دیا لیکن پھر بھی دنیا کو اُن کی قوت کا پورا اندازہ نہو سکا
ابکی مرتبہ جو اُس کی قومی غرور اور تاریخی عظمت نے قومی غیرت کی دبی چنگاریون کو
بھڑکا کر شعلہ جوالہ کی شکل مین نمودار کیا تو اُسنے ایسا نہ دیکھا کہ وہ اپنے قومی دشمن
کے آہن پوش بحری و بری طاقت خاک سیاہ کرنے پر مستعد ہوگیا اور جاپانیون نے
عام طور پر اپنی پُرجوش حب قومی اور نفس کش اولو العزمی اور اپنے بحری افسرونکی
دور بین مدبری حملہ کی برق آسا تیزی فن جہاز رانی کی غواصی اور ملاحون کی غیر مغلوب
دلاوری سے ابتدا مین و اپنے جنرلون کی باہوش خوش تدبیری اور سپاہیون کی ان تھک
ہمت اور ناقابل تقلید ثابت قدمی سے بعد مین ثابت کر دیا کہ گو ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ
سہی لیکن چیونٹی بھی باوجود بیچارگی و ضعیف البنیانی کے قوی الجثہ ہاتھی کا ناک
مین دم کر سکتی اور ایسا نتائج دکھا سکتی ہو کہ دنیا حیرت مین رہجائے۔ ابھی تک اقوام
عالم اس تماشہ کو دم بخود انگشت حیرت در دہان دیکھ رہی ہین مگر کسی طرح دل
گواہی نہین دیتا کہ چیونٹی کو ہاتھی کے مقابلے مین کامیابی ہوئی۔ لیکن کارخانۂ فطرت
اور تاریخ عالم جہان ایسی مثالون سے بھری پڑی ہے جسمین قوت کو ضعف پر غلبہ
ہوا ہو وہان چند ایسی مثالین بھی پائی جاتی ہین جن مین ضعیف کو قوی پر کامیابی
نصیب ہوئی ہو مثلاً زمانۂ قدیم مین معدودے چند یونانیون کو ایران کی بے تعداد فوج
اور لاانتہائی قوت کو پامال کرنا اور پھر ننگے بھوکے عربونکا جن کا اکل و شرب اہل فارس
کی حقارت آمیز زبان مین شیر شتر و لحم سوسمار تھا قیصر و کسری کے غرور کو خاک مین
ملا کر اُن کے تخت و تاج کا وارث بننا۔ اور ایسی ہی اور بھی مثالین موجود ہین اور
جہان تک غور کیا جاتا ہو جاپانیون مین وہ تمام وجوہ تحریک موجود ہین جو اہالی یونان
و عرب کی فتحمندی کا موجب ہوئی تھین اور نازروس اپنی وسیع مملکت بھی نہایت
قوت اور قومی غرور و نخوت کے لحاظ سے قیصر و کسری کا سچا قائم مقام اور اُن کی
طرح دنیا کے لیے ایک پر عبرت نمونہ قائم کرنیکا مستحق ہو۔ اس لیے جاپان کا روس
کے مقابلہ مین فتح و نصرت سے ہمآغوش ہونا کوئی ایسا واقعہ نہوگا جس کی نظیر

تاریخ مین نہ مل سکے۔ پھر بھی کسی کو پورا اطمینان نہین لیکن خواہ جاپان کو بالآخر کامیابی ہو یا نہو اُس کے عزم و استقلال نے یہ تو ہر شخص کی زبان پر جاری کردیا ہے ؎

شکست و فتح نصیبون سے ہے ولے اے ذوق
مقابلہ تو دل ناتوان نے خوب کیا

یہین ہم جاپان کی حالت پر نظر غور کرتے اور اپنے گریبان مین مونھ ڈالکر دیکھتے ہین کہ وہی اسباب جنھون نے تیس چالیس سال کے قلیل عرصے مین جاپان کو معراج کمال پر پہونچا دیا ہے سو ڈیڑھ سو برس سے ہمارے ملک مین بھی عمل پیرا ہین لیکن یہان کیا نتیجہ ہوا ہے تو ایک عجیب عبرت انگیز تخالف نظر آتا ہے۔ ایک طرف تو ہم یہ دیکھتے ہین کہ چند ہی روز مین علوم و فنون جدیدہ کی اشاعت نے جاپان کو خطۂ یونان بنا دیا ہے روشن خیالی اوہام پرستی کی جگہ لیتی جاتی ہے۔ بیکاری کی بجائے ہر طرف صنعت وحرفت کے مشاغل نمودار ہوگئے ہین اور فوج مین آگلوہ کے ہتھیارون اور دلچسپ گر مضر بیقاعدگی کی بجائے ترتیب مسلط ہے اور ہر کس و ناکس کا دل قومی جذبات کے جوش اور قومی ترقی کی ہوس سے اُمڈا پڑتا ہے۔ دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہین کہ باوجود اسقدر زمانہ گذرنے کے علوم ادبیہ کا ایک درجے تک چرچا ہوگیا ہے لیکن جہان تک علوم و فنون جدیدہ کی اشاعت سے تعلق ہے ہنوز روز اول ہے اوہام پرستی کی زنجیرین اگرچہ کچھ کچھ ڈھیلی پڑ گئی ہین لیکن ابھی تک ہاتھ پاؤن جکڑے ہوئے ہین۔ کثرت آبادی کی وجہ سے بیکارون کی تعداد بڑھ گئی ہے اور گو خال خال صنعت وحرفت کے کارخانے بھی نظر آنے لگے ہین لیکن وہ عموماً اقوام غیر کے ہاتھ مین ہین اور جہان کہین فوجین ہمارے ہاتھ مین رکھی ہین اُنکے سپاہی اپنے ٹوٹے پھوٹے پرانے بیڈول ہتھیارون یا عجیب وردیون اور بے ڈھب رفتار و کردار کی وجہ سے مہذب دُنیا کے لیئے باعث تفریح و تضحیک بن رہے ہین اور جوش قومی کی یہ کیفیت ہے کہ گو اب قوم کا لفظ ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا ہے لیکن دل کا حال خدا ہی جانتا ہے لیکن اتنا ہم بھی دیکھتے ہین کہ جہان کوئی امتحان کا موقع آیا اور نفسی نفسی کی سوجھی۔ ایک طرف تو یہ سمان نظر آتا ہے کہ صبح و شام جاپان پیداوار کے جہاز دور دراز ممالک سے لدے لدائے چلے آتے ہین اور اُن کی بجائے

دیسی مصنوعات ممالک غیر کو جاتے ہین برخلاف اسکے ہماری یہ حالت ہے کہ خام
پیداوار کے معاوضہ مین مصنوعات ممالک غیر ہاتھون ہاتھ لیتے ہین - ایک طرف
غیرت قومی کا یہ عالم ہے کہ اپنے حقوق کو دست برد زمانہ سے محفوظ کرنے کے بعد
دوسری مظلوم بے دست و پا قومون کے حقوق کی حفاظت پر کمر ہمت باندھکر جان
اور مال کو خاک مین ملا رہے ہین - دوسری طرف ہماری یہ حالت ہے کہ گو جان
جوکھون کا کوئی موقع ہی نہین ہے جائز اور بخط ذرائع سے بھی اپنے حقوق کی حفاظت
نہین کرسکتے تا بدیگران چہ رسد - اہل جاپان کی ہمت و جرأت کی یہ کیفیت ہے
کہ ہر شخص کو جان فروشی کے موقعون کی تلاش ہے اور دشمن امان دیتے ہین مگر وہ
نہین لیتے - لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ ایک زمانہ مین ہم شخصی جرأت و ہمت
سے خالی نہ تھے مگر انگریزی حکومت کے پُرآسائش امن و امان نے ہمارا یہ زیور بھی
اُتار لیا - جاپان مین حُبّ وطن کے معنی یہ سمجھے جاتے ہین کہ تمام ممالک عالم مین پھیلکر
قومی ترقی و کمال کا ڈنکہ بجائین اور ہمارے یہان گھر سے قدم باہر نکالنے کا نام ہے ع

بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

دُنیا مین کوئی واقعہ بلا سلسلہ اسباب کے عالم ظہور مین نہین آتا اور اسلئے
جو تخالف کہ ہماری اور اہلی جاپان کی حالت مین ہے اُسکے ضرور کچھ اسباب ہونگے
اور اسی لئے ہم اُنھین اسباب کی سُراغ رسانی مین مصروف ہوتے ہین تا کہ ہمارے
لئے بھی تازیانہ ہدایت کا کام کرسکین -

جاپان برخلاف ہندوستان کے وسیع سرسبز و شاداب میدانون کے چند
چھوٹے بڑے جزیرون کا مجموعہ ہے جہان کی زمین سنگلاخ اور پیداوار کے لحاظ
سے فطرتاً خسیس ہوتی ہے اور اُس مین ایک سرے سے دوسرے سرے تک
ہندوستان کے تازگی بخش دریاؤن کے بجائے آتش فشان پہاڑون کا سلسلہ
چلا گیا ہے جنکا ناگہانی ابال دم کے دم مین آباد اور معمور خیز شہرون اور
لہلہاتے اور زرخیز کھیتون کو خاک سیاہ کر دیتا ہے اور اسلئے فطرت کی بے ہنگام برافروختگی
کا خوف کبھی انسان کو اپنی حالت پر مطمئن نہین ہونے دیتا - ہندوستان جسطرح منطقہ معتدلہ سے
نکلکر منطقہ حارہ مین پہونچا ہے اُسی طرح جاپان منطقہ معتدلہ سے ترقی کرکے منطقہ باردہ سے جا ملا ہے

پس یہ قدرتی بات ہو کہ فطرت کی غیر معمولی عنایت اور آفتاب کی تمازت کی وجہ سے
ہندوستان کے باشندے بالطبع سُست و کاہل اور جاپان کے باشندے فطرت
کی سختی اور کمی حرارت کی وجہ سے محنتی و اولوالعزم ہوں۔ اسی طرح جہاں ہندوستان
کے زرخیز میدان اور سیراب دریا انسان کو زراعت پر مائل کرتے ہیں۔ وہاں
جاپان کی پتھریلی زمین اور قدرتی پیداوار کی بے اعتباری لوگوں کا میلان
صنعت و حرفت کی طرف کرتی ہے۔ میدانوں کے رہنے والے بالطبع پست ہمت
اور سفر سے متنفر۔ اور جزیروں کے باشندے ذی ہمت اور سیاحت کے شائق
ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے اہل جزائر کا میلان تجارت کی طرف زیادہ ہوتا ہے
اسی طرح جہاں نوامیس فطرت کا زیادہ پُر زور عمل ہوتا ہے وہاں کے باشندے
اسباب طبعی سے خائف و ہراساں ہوکر اوہام پرستی میں مبتلا رہتے ہیں اور جہاں
اتنا زور نہیں ہوتا وہاں کے لوگ اپنی قوت بازو پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں۔ گرم
ممالک میں تن پروری کی آسانی خود غرضی و نااتفاقی کا بیج بوتی ہے اور سرد
ممالک میں کشمکش حیات شخصی ہمدردی و اتفاق کی مورث ہوتی ہے۔ پس یہی
اسباب تھے جن کی وجہ سے ابتدا سے ہندوستان کے باشندے جس طرح کہ
سُستی و کاہلی و اوہام پرستی و پست ہمتی نااتفاقی و زراعت میں ممتاز چلے آتے
ہیں اسیطرح جاپانی محنت و جفاکشی ہمت و جرأت صنعت و تجارت اور ہمدردی
و اتفاق میں سربرآوردہ پائے جاتے ہیں۔ پس جاپان کی کامیابی اور ہماری
ناکامی کے یہ تو طبعی اسباب تھے۔ اب اگر دوسرے اسباب پر غور کیا جائے تو
معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پر کہ ہندوستان میں مذہب نے تقلید کا جامہ پہنکر رسم و
رواج کی صورت اختیار کر کے ہر شخص کو مقید کر دیا اور لکیر کا فقیر بنا دیا ہے۔ اسی طرح
جاپان میں تمام اجزاء حیات مذہبی زنجیروں میں جکڑے ہوئے نہ تھے اور نئے
خیالات سے متاثر ہو کر ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع باقی تھا۔ ہندوستان کی یہ حالت
ہے کہ ہندوؤں نے اپنی ایک قوم کی تین ہزار ذاتیں بنائی ہیں اور اُن کی
دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی اُنکے اصول مذہب کے خلاف سیکڑوں قومیں پیدا
ہو گئی ہیں۔ برخلاف اسکے اہل جاپان میں ذات کا نام نہ تھا اور تمام ملک کے

باشندے اپنے آپ کو ایک ہی قوم سے سمجھتے تھے اور علی ہذا اہل ہند کے سیکڑون مذہبون کے بجائے جاپانی سب ایک ہی مذہب کے پابند تھے۔ ہندوستان مین تن آسانی و فارغ البالی نے فلسفہ کے بھول بھلیون اور علوم ادبیہ کے لطائف مین ایسا محو کیا کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ جاپان مین زندگی کی دشواریون نے اُن علوم سے آشنا کیا جو عملی طور پر کارآمد ہین۔ ہندوستان ہمیشہ سے طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کا گھر رہا ہو لیکن جاپانی کئی ہزار برس سے ایک ہی حکومت کے تابع چلے آتے ہین۔ اور اپنے بادشاہ کا یہان تک اعزاز کرتے ہین کہ اُسکو مظہر الٰہی سمجھتے ہین ہندوستان مین جب آفتاب علوم جدیدہ طلوع ہوا تو خانہ جنگی اور نفسا نفسی نے قومی اتحاد و یگانگت کا شیرازہ توڑکر افراد قوم کو اوراق پریشان کیطرح گردباد حوادث بنا رکھا اور ایک غیر قوم کا ماتحت کر دیا تھا۔ لیکن جاپان نے جب میدان ترقی مین قدم رکھا ہو تو قومی سلطنت قائم تھی۔ غرضکہ ہم ہندی ترقی کے وقت غلامی کی حالت مین تھے اور اہل جاپان آزاد تھے ہمنے اگر میدان ترقی مین قدم رکھنے کی کوشش کی تو کسی دلی اُمنگ یا قومی ولولہ کی وجہ سے نہین کی بلکہ محض عالم مجبوری مین تقاضائے حیات کے پورا کرنیکے کی نیت سے کی اور اس لیئے ہمنے اپنے طبعی میلان اور فوری ضرورتون کے لحاظ سے انھین اُمور کو اختیار کیا جو سہل الحصول اور بلا وقت کارآمد ہو سکتے تھے یعنے ہم ابتدا ہی سے ادب۔ طب۔ اور قانون کی طرف جھک پڑے اور اُن علوم کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا جو زیادہ محنت کے طالب ہین مگر قومی ترقی کا دار و مدار انھین پر ہے۔ اگر دوسری طرف جاپان کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ اہالی جاپان کا علوم جدیدہ کی طرف متوجہ ہونا ہماری طرح مجبورانہ اور اضطراری نہ تھا بلکہ ایک عرصۂ دراز تک اُنھون نے اپنے ملک کو تمام اجنبی اثرون سے نہایت کوشش کے ساتھ محفوظ رکھا لیکن جب اکابر قوم کو پورا یقین ہوگیا کہ اُنیسوین صدی مین کوئی قوم من حیث قوم زندہ نہین رہ سکتی تاوقتیکہ تہذیب و تمدن یورپ سے متمتع نہو تو اُنھون نے سب سے پہلے اس امر کو دریافت کیا کہ وہ کون سے علوم و فنون ہین جنھون نے یورپ کو سرتاج عالم بنا دیا ہے اور جب اس راز سربستہ کی کنجی اُن کے ہاتھ آگئی تو اُنھون نے اپنی تمام ہمتون کو نہایت ہی باقاعدہ توجہ کیسا[illegible]

اس طرف مصروف کیا۔ ہم اگر ولایت بھی گئے تو بیرسٹر اور ڈاکٹر بنکر آئے جو قومی دولت مین اضافہ تو ایک حبہ کا بھی نہین کرسکتے مگر اُسمین اپنا حصہ بٹوانے کیلئے موجود ہوجاتے ہین اور جاپانی جو ممالک یوروپ و امریکہ کو گئے تو وہ اعلیٰ درجے کے صناع اور کاریگر اور علم معدنیات و نباتات و مکانکس کے عالم یعنے ایسے لوگ بنکر آئے جنکا قومی دولت کے اضافہ کا موجب ہونا اُنکی ادنیٰ صفت ہی۔ ہم چونکہ ایک غیر قوم کے ماتحت ہین اس سلئے ہمین قومی ترقی کا راستہ بتانے کے لئے کوئی ایسا رہبر طریق جس کی دلکش آواز سب کان لگا کر سُنتے اور دل سے مانتے موجود نتھا۔ لیکن جاپان مین قومی سلطنت کی بدولت اُن کا بیدار مغز روشن ضمیر محب وطن قوم کا فدائی بادشاہ جس کو تمام قوم خدا سے جدا نہ سمجھتی تھی کمر ہمت باندھکر اُن کا ہادی بنا اور خود اپنے اختیارات کو قوم پر نثار کرکے بھولون بھٹکون کو راہ بتانے لگا۔ اور در اصل یہی سب سے بڑا باعث جاپان کی کامیابی کا ہے۔ ہندوستانی عام طور پر صنعت و حرفت سے مانوس نہ تھے اسلیئے اُن کا درجۂ کمال پر پہونچنا آسان نہ تھا مگر جاپانی قدیم سے صناعی مین شہرۂ آفاق چلے آتے ہین اور اسلیئے خیالات جدیدہ کے پیدا ہونے کے بعد اُن کو صرف اتنا کرنا پڑا کہ اپنے دست صنعت کا رُخ مشرق سے مغرب کی طرف موڑ لیا اور جس طور پر کہ پہلے مشرقی صناعی مین مشاق تھے اُسی طرح مغربی صناعی مین نامور ہوگئے۔ جاپانی چونکہ ایک قوم اور بالطبع محنتی اور ذی ہمت ہین۔ اُنھون نے ایک دفعہ میدان ترقی مین قدم رکھا تو استقلال برابر اُن کو بڑھاتا لیئے چلا گیا برخلاف اسکے ہندوستان مین اختلافات قومی اور سستی و پست ہمتی قدم قدم پر تلون کا سبق پڑھاتی ہے جاپانیون کو اُن کا شیدائی شہنشاہ قومی ترقی کی راہ مین نفس کشی اور حب وطنی کا ایسا سبق پڑھاتا رہتا ہی جو بھولائے سے بھی نہین بھول سکتا۔ ادھر ہمارے گرد و پیش کے تمام واقعات ادبار قومی کی تلخ داستان دوہراتے رہتے ہین۔ ہمارا قدیم رسم و رواج عورتون کو گوشۂ تنہائی سے قدم باہر نہین نکالنے دیتا اور اسلئے میدان ترقی مین ہم صرف اپنی آدھی قوت سے کام لے سکتے ہین لیکن جاپانی ایسے قیود سے آزاد ہین اور اُن کے یہان عورتین بھی ویسے ہی عزم بالجزم سے قومی عروج مین حصہ

لے رہی ہین جسطرح کہ مرد ـ پس کیا طبیعی اور کیا خارجی و اندرونی تمام اسباب ایسے ہی جمع تھے کہ جاپان ترقی کرے اور ہم جہان تھے وہین رہین اور اب بھی اگر ہم زمانہ کی ترقی مین اپنا حصہ لینا چاہتے ہین تو ہمارا فرض ہے کہ ترقی جاپان کی خوشگوار داستان سے فائدہ اُٹھائین اور جو اُمور اُنکی ترقی کے موئد ہوئے ہین اُن کو خود بھی اختیار کرین ـ اسمین شک نہین کہ طبیعی اسباب ہمارے مخالف ہین لیکن ہمکو یاد رکھنا چاہیے کہ ؎

ہر کارے ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

اور گو یہ سچ ہے کہ ہم جاپان کی طرح آزاد نہین ہین اور ایک غیر قوم کے ماتحت ہین لیکن ہماری خوش قسمتی سے وہ غیر قوم ایسی ہے کہ خود ہماری ترقی کی خواہان اور ہر طرح پر مدد دینے کے لیئے موجود ہے ـ پس اے باعزت ہندو اگر اُٹھنا ہو تو اُٹھو ورنہ بہت جلد زمانہ تمکو غفلت کی میٹھی نیند کی بجائے خوابِ مرگ مین مبتلا کرے گا کہ پھر اُٹھنا نصیب نہوگا ـ فقط

[illegible]

[illegible]

اور کروڑون روپیہ اپنے مذہب کی تبلیغ مین صرف کرتے ہین البتہ اُنمین ایک
فرقہ ایسا بھی پیدا ہوگیا ہو جو مذہب عیسائی کو سچا مذہب نہین سمجھتا لیکن اِس
فرقہ مین بھی دو قسم کے لوگ شریک ہین۔ پہلے قسم کے وہ لوگ ہین جن کو علم وحکمت
نے اِس درجہ پر پہونچا دیا ہو کہ گو وہ کسی خاص رواجی مذہب کے پابند نہون
لیکن اُن کے حُبّ وطن اور رجاعت انسانی کی خیرخواہی نے اُن کو اُن اعلیٰ
اُصول کا پابند بنادیا ہو جو دراصل ہر مذہب کی بُنیاد اور نظام عالم کے قائم رہنے
کیلئے ضروری ہین۔ دوسری قسم کے لوگ البتہ ایسے ہین جن پر لامذہبی کا اطلاق ہو
ہے۔ لیکن یوروپ مین بھی ایسے لوگون کا وجود قومی اور ملکی ترقی کے لیئے نہایت
مضر سمجھا جاتا ہے اور تجربے سے مضر ثابت بھی ہورہا ہو۔ یوروپ کی ترقی یافتہ قومون
مین فرنسیسون مین لامذہبی کا سب سے زیادہ رواج ہو اور اگر غور سے دیکھے
ہین تو معلوم ہوتا ہو کہ یا تو وہ زمانہ تھا کہ فرانسیسون کا قدم میدان ترقی مین سب سے
آگے تھا یا اب یہ حال ہو کہ وہ تقریبًا سب سے پیچھے رہ گئے ہین۔ اور اگر تاریخ کو
دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُن کے قومی زوال کی بُنیاد اُسی روز سے پڑی ہے۔
جب سے کہ اُنھون نے معتقدات مذہبی کو خیرباد کہکر لامذہبی کا جھنڈا بلند کیا ہو۔
غالبًا ریڈیکل کو معلوم نہین ہو کہ یوروپ مین بھی تمام اہل الرائے کا اتفاق ہو کہ اگر
کبھی اقوام یوروپ کو ر د زبرد دیکھنا ہوگا تو اسی لامذہبی کی بدولت نصیب ہوگا
چنانچہ فرقہ انارکسٹ و نہلسٹ وغیرہ کی روزافزون زیادتیون نے اُنکی بُنیاد ابھی سے ڈالدی ہے۔
جاپان کے متعلق جو کچھ ریڈیکل نے بیان کیا ہو وہ بھی صحیح نہین ہو کیونکہ جس
زمانے مین اہالی جاپان مین علم ترقی بلند ہوا اُس زمانے مین وہ لامذہب نہ تھے
اور گو اب اُنمین ایک خاص فرقہ ایسا پیدا ہوگیا ہو جو اپنے قدیم بت پرستی کے مذہب
کو زمانۂ موجودہ کی ترقی کے حسب حال نہین پاتا لیکن وہ بھی قومی ترقی کے لیے مذہبی
پابندی کو ضروری ولازمی سمجھتا ہو۔ اور اسی وجہ سے وہ کسی ایسے مذہب کی
تلاش مین ہو جو قومی ترقی کی تائید کرسکے۔ ہندؤن اور پارسیون کی جو مثال
دی گئی ہے وہ تو بالکل غیر متعلق ہو کیونکہ جیسی ترقی ان قومون نے کی ہو وہ دراصل
کوئی قابل ذکر ترقی نہین ہو اور نہ یہ قومین لامذہب کہی جاسکتی ہین بلکہ اُنمین کثرت سے

خشک پہاڑوں سے کوئی ہرا سبز ملک بھی نہ دیکھا تھا ایک کرکے ملک گیری تجارت
صنعت۔ حرفت۔ تمدن اور علم وحکمت میں دُنیا کا پیشرو بنا دیا۔ ریڈیکل کا یہ خیال
کہ اسلام عربوں کی ترقی کا باعث نہیں ہوا ایک عجیب منطق پر مبنی ہے اور فلسفہ
تاریخ سے سخت ناواقفیت ظاہر کرتا ہے۔ ذرا سا بھی غور وتامل بتادے گا کہ وہ چیز جو
عربوں کے باہمی اختلاف کو اتفاق سے وحشت کو شجاعت سے ضد کو استقلال سے
اوہام پرستی کو خدا پرستی سے عداوت کو ہمدردی سے اور ناانصافی کو عدل سے بدلدیا
وہ اسلام اور صرف اسلام ہی تھا ورنہ اسلام سے پہلے کیوں اُنکے اخلاق میں ایسا
تغیر پیدا نہوا جس نے انکو فاتح دُنیا و مصلح اُمم بنا دیا۔ ریڈیکل نے جو یہ لکھا ہے کہ مکہ معظمہ
کے مسلمانوں کے راسخ الاعتقاد اور پکے مسلمان ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے اس سے
اُنکی رفتار خیال کا پتہ لگ سکتا ہے کہ وہ پابندی مذہب کے کیا معنی سمجھے ہوئے ہیں
اور غالبًا اسی وجہ سے اُن کو دھوکا ہوا ہے۔ ہمارے مصلح قوم جس پابندی مذہب
کی طرف قوم کو توجہ دلا رہے ہیں وہ صرف ظاہری فرائض کی پابندی پر منتہی نہیں
ہوتی بلکہ اُس سے مراد اُن اعلیٰ اُصول کی پابندی ہے جو انسان کو انسان کامل کے
معزز خطاب کا مستحق بناتی ہے۔ اور اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اہل مکہ کا بھی یہی
درجہ ہے جو دُنیا کے دوسرے حصوں کے مسلمانوں کا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ قعر ذلت میں
پڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے مصلحان قوم کا یہ خیال نہیں ہے جیسا کہ ریڈیکل نے سمجھا
ہے کہ اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تیرہ سو برس کی پرانی معاشرت کی تقلید کیجائے بلکہ
وہ خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ اصلی اسلام ہمکو اس امر کی تعلیم کرتا ہے کہ زمانہ جسطرف
چلائے اُس طرف چلیں اور جیسا زمانہ کا رنگ ہو اُس کے مطابق عمل کریں تاکہ
دُنیا کی ہر قسم کی ترقیوں سے متمتع ہو کر روحانی برکات سے بھی محروم نہ رہیں۔ آخر
میں ہم اس امر کے کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمانوں کی مذہبی ترقی جب ہی قابل
فخر ہو سکتی ہے کہ وہ مسلمان رہکر ترقی کریں ورنہ اگر دُنیا کی چند روزہ ترقی کے
نتیجے نجات دائمی سے محروم ہو گئے تو ایسی ترقی سے ہزار درجہ تنزل بہتر ہے۔

ہندوستان
اور
مسٹر چیمبرلین کی نئی پالیسی

جان کابڈین[1] کا نام تاریخ انگلستان مین ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے آزادی تجارت کے مسئلہ پر ایسے زور وشور سے بحث کی کہ وہ مسلمات مین داخل ہوگیا اور ہر شخص کے عقائد دلی کا جزو بنگیا۔ یہ اُسی شخص کی زہرہ شگاف آواز کا نتیجہ تھا کہ آزادی تجارت کی دیبی کے آگے سب لوگون نے سر جھکا دیا اور اسکی پرستش عام ہوگئی۔ آزادی تجارت کے معنے یہ ہین کہ سوائے بعض خاص اشیاء مثل شراب وتمباکو وچاء وغیرہ کے جن کا استعمال تکلفات مین داخل ہے باقی کسی شئے پر خواہ از قسم مصنوعات ہو یا پیداوار قدرتی محصول نہ لگایا جائے اور چونکہ کابڈین اپنی قوم کی اولوالعزمی محنت کشی اور ہنرمندی سے واقف تھا اس لئے وہ بخوبی سمجھے ہوئے تھا کہ اگر کوئی شئے انگلستان کی صنعت وحرفت اور تجارت کو معراج کمال پر پہونچا سکتی ہے تو وہ آزادی تجارت ہے کیونکہ انگلستان اتنا چھوٹا ملک ہے کہ وہان کی قدرتی وسائل اور پیداوار وہان کی روز افزون ضرورتون کے پورا کرنے کے لیے کافی نہین ہوتی اور غلہ اور دوسری خام پیداوار کے لحاظ سے ممالک غیر کا محتاج ہے لیکن اسی کے ساتھ اُسکے ہموطن علمی ترقی قدرتی مناسبت اور طبیعی مستعدی کے لحاظ سے کم سے کم اُس زمانے کی مہذب اقوام مین

[1] یہ مضمون اسوقت [illegible] آف انڈیا نے اپنی پالیسی کا اعلان اس [illegible] نہین کیا تھا ملاحظہ ہو رسالہ عصر جدید بابت جنوری [illegible]

[illegible]

تامل ہو - یہ امر کہ آیا مسٹر چیمبرلین کی تجاویز درصل برطانیہ ـ حق مین بھی مفید ہین
کہ نہین ایک نہایت اہم بالشان مسئلہ ہوا اور اُسپر بحث کرنے کے لیئے بڑا وقت درکار ہے
اور نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے لیکن اسقدر کہے بغیر نہین رہ سکتے کہ مسٹر چیمبرلین
کی تجاویز گو انگلستان کے سرمایہ دار گروہ کے حق مین جس کے ہاتھ مین ملک کے
کارخانہائے صنعت وحرفت ہین مفید ہو۔ لیکن جہانتک کہ مزدوری پیشہ لوگونکے
متعلق ہے اور یہ ظاہر ہو کہ جس ملک کا دارومدار صنعت وحرفت پر ہو وہان ایسے ہی
لوگونکی تعداد زیادہ ہوتی ہے اشیاء احتیاج کی گرانی سے جو مصنوعات درآمد اور
ممالک غیر پر محصول لگانے کا لازمی نتیجہ ہوگی نہایت مضر ہوگی ۔ غرض کہ من حیث المجموع
ہماری رائے مین یہ تجاویز انگلستان کے حق مین بھی بالآخر مفید نہین ثابت ہونگی ۔
مسٹر چیمبرلین ابتدا مین تو ہندوستان کو بالکل ہی بھولے ہوئے تھے یہانتک
کہ کبھی نام بھی نہین لیا اور اُسکی وجہ بھی ظاہر ہے کہ بیچارہ ہندوستان
نوآبادیونکی طرح باوجود اپنی بیشمار مردم شماری کی آزاد تو ہے ہی نہین اور رہی
امر مین برطانیہ کا تابع فرمان ہوا اسلیئے اسکے ذکر کا موقع ہی کیا تھا۔ تاہم حال مین اُنھون نے
اس شکایت کو رفع کردیا ہو۔ ہندوستان پر آزادی تجارت کا یہ اثر ہوا ہو کہ مختلف
قومون کے تجارتی رقابت کا جولان گاہ بنگیا ہے اور گو اس سے اتنا فائدہ ہوا ہو کہ
مصنوعات ممالک غیر کی قیمت روز بروز گھٹ رہی ہو لیکن ساتھ کے ساتھ یہ ملکی صنعت
وحرفت کی بربادی کا موجب بھی ہوتا رہا ہو اور اُسکی وجہ سے جدید قسم کے کارخانے جو ہنوز
کثرت سے قائم ہو سکتے جس کی اُمید تھی اور نہ قائم ہونیکے بعد اُنکو ویسی کامیابی نصیب
ہوئی جیسی کہ ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن جب باوجود اِن مزاحمتون کے اُن فوائد کی وجہ سے
جو قدرتی طور پر ایک ایسے ملک کو حاصل ہوتی ہین جہان کی پیداوار وہین کی صنعتون مین صرف
ہو اور جہان تمدنی اسباب مزدوری کی گرانی کے مانع ہون ہندوستان مین جدید قسم کی
صنعت وحرفت روبترقی ہوئی تو باوجودیکہ انگلستان مین ہر شخص آزادی تجارت کا دم
بھرتا تھا مگر لنکے شائر کے کارخانے والون کے شور بے ہنگام سے گورنمنٹ ہند کو خلاف
اپنی اصلی رائے کے ایک محصول بنام اکسائز ڈیوٹیز لگانے پر مجبور کیا جسکا مقصد یہ تھا کہ
دیسی کارخانہ جو ترقی کر رہے تھے وہ رُک جائیں اور جب رفتار ترقی مین اس سے بھی کچھ زیادہ

[illegible]

خشک پہاڑون سے کوئی سرسبز ملک بھی نہ دیکھا تھا ایک کرکے ملک گیری تجارت صنعت۔ حرفت۔ تمدن اور علم و حکمت مین دُنیا کا پیشرو بنا دیا۔ ریڈیکل کا یہ خیال کہ اسلام عربون کی ترقی کا باعث نہین ہوا ایک عجیب منطق پر مبنی ہے اور فلسفہ تاریخ سے سخت ناواقفیت ظاہر کرتا ہو۔ ذرا اسا بھی غور و تامل بتادے گا کہ وہ چیز عربون کے باہمی اختلاف کو اتفاق سے وحشت کو شجاعت سے ضد کو استقلال سے اوہام پرستی کو خدا پرستی سے عداوت کو ہمدردی سے اور نا انصافی کو عدل سے بدل دیا وہ اسلام اور صرف اسلام ہی تھا ورنہ اسلام سے پہلے کیون اُنکے اخلاق مین ایسا تغیر پیدا نہوا جس نے اُنکو فاتح دُنیا و مصلح اُمم بنا دیا۔ ریڈیکل نے جو یہ لکھا ہے کہ کہ معظمہ کے مسلمانون کے راسخ الاعتقاد اور پکے مسلمان ہونے مین کس کو شک ہو سکتا ہو اس سے اُنکی رفتار خیال کا پتہ لگ سکتا ہو کہ وہ پابندی مذہب کے کیا معنی سمجھے ہوئے ہین اور غالباً اسی وجہ سے اُن کو دھوکا ہوا ہو۔ ہمارے مصلح قوم جس پابندی مذہب کی طرف قوم کو توجہ دلا رہے ہین وہ صرف ظاہری فرائض کی پابندی پر منتہی نہین ہوتی بلکہ اُس سے مراد اُن اعلیٰ اُصول کی پابندی ہو جو انسان کو انسان کامل کے معزز خطاب کا مستحق بناتی ہو۔ اور اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اہل مکہ کا بھی وہی درجہ ہو جو دُنیا کے دوسرے حصون کے مسلمانون کا ہو۔ اور اسی وجہ سے وہ قعر ذلت مین پڑے ہوئے ہین۔ ہمارے مصلحان قوم کا یہ خیال نہین ہے جیسا کہ ریڈیکل نے سمجھا ہے کہ اسلام کے یہ معنی ہین کہ تیرہ سو برس کی پرانی معاشرت کی تقلید کیجائے بلکہ وہ خوب سمجھے ہوئے ہین کہ اصلی اسلام ہمکو اس امر کی تعلیم کرتا ہو کہ زمانہ جس طرف چلائے اُس طرف چلین اور جیسا زمانہ کا رنگ ہو اُس کے مطابق عمل کرین۔ تاکہ دُنیا کی ہر قسم کی ترقیون سے متمتع ہو کر روحانی برکات سے بھی محروم نرہین۔ آخر مین ہم اس امر کے کہے بغیر نہین رہ سکتے کہ مسلمانون کی مذہبی ترقی جب ہی قابل فخر ہو سکتی ہے کہ وہ مسلمان رہکر ترقی کرین ورنہ اگر دُنیا کی چند روزہ ترقی سے نتیجے نجات دائمی سے محروم ہو گئے تو ایسی ترقی سے ہزار درجہ تنزل بہتر ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

تابل ہو۔ یہ امر آیا مسٹر چیمبرلین کی تجاویز دراصل برطانیہ کے حق مین بھی مفید ہین
کہ نہین ایک نہایت اہم بالشان مسئلہ ہو اور اسپر بحث کرنے کے لیئے بڑا وقت درکار ہے
اور نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے لیکن اسقدر کہے بغیر نہین رہ سکتے کہ مسٹر چیمبرلین
کی تجاویز گو انگلستان کے سرمایہ دار گروہ کے حق مین جس کے ہاتھ مین ملک کے
کارخانہائے صنعت وحرفت ہین مفید ہو۔ لیکن جہانتک کہ مزدوری پیشہ لوگونکے
متعلق ہے اور یہ ظاہر ہو کہ جس ملک کا دارومدار صنعت وحرفت پر ہو وہان ایسی ہی
لوگونکی تعداد زیادہ ہوتی ہے اشیاء اناج کی گرانی سے جو مصنوعات وپیداوار
ممالک غیر پر محصول لگانے کا لازمی نتیجہ ہوگی نہایت مضر ہوگی۔ غرض کہ من حیث المجموع
ہماری رائے مین یہ تجاویز انگلستان کے حق مین بھی بالآخر مفید نہین ثابت ہونگی۔
مسٹر چیمبرلین ابتدا مین تو ہندوستان کو بالکل ہی بھولے ہوئے تھے یہانتک
کہ کبھی نام بھی نہین لیا اور اُسکی وجہ بھی ظاہر ہے کہ بیچارہ ہندوستان
نوآبادیوں کی طرح باوجود اپنی بیشمار مردم شماری کی آزاد تو ہے ہی نہین اور رہی
امر مین برطانیہ کا تابع فرمان ہو اسلیئے اُسکے ذکر کا موقع ہی کیا تھا۔ مگر حال مین اُنھون نے
اس شکایت کو رفع کر دیا ہو۔ ہندوستان پر آزادی تجارت کا یہ اثر ہوا ہو کہ مختلف
قومون کے تجارتی رقابت کا جولان گاہ بنگیا ہے اور گو اس سے اتنا فائدہ ہوا ہو کہ
مصنوعات ممالک غیر کی قیمت روز بروز گھٹ رہی ہو لیکن ساتھ کے ساتھ یہ ملکی صنعت
وحرفت کی بربادی کا موجب بھی ہوتا رہا ہو اور اُسکی وجہ سے جدید قسم کے کارخانے نہ اُس
کثرت سے قائم ہو سکے جس کی اُمید تھی اور نہ قائم ہونیکے بعد اُنکو ویسی کامیابی نصیب
ہوئی جیسی کہ ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن جب باوجود ان مزاحمتون کے اُن فوائد کی وجہ سے
جو قدرتی طور پر ایک ایسے ملک کو حاصل ہوتی ہین جہان کی پیداوار وہین کی صنعتون مین صرف
ہو اور جہان تمدنی اسباب مزدوری کی گرانی کے مانع ہون ہندوستان مین جدید قسم کی
صنعت وحرفت روبترقی ہوئی تو باوجودیکہ انگلستان مین ہر شخص آزادی تجارت کا دم
بھرتا تھا مگر لنکا شائر کے کارخانے والون کے شور بے ہنگام نے گورنمنٹ ہند کو خلاف
اپنی اصلی رائے کے ایک محصول بنام اکسائز ڈیوٹیز لگانے پر مجبور کیا جسکا مقصد یہ تھا کہ
دیسی کارخانہ جو ترقی کر رہے تھے وہ رُک جائیں اور جب قلم ترقی مین اس سے بھی کچھ زیادہ

فرق نہ آیا تو قانون کارخانجات جاری ہوا پس جبکہ عین آزادی تجارت کے زمانے مین ہندوستان کے ساتھ ایسا برتاؤ ہوا تو کبھی نہین کہہ سکتے کہ ہم مستحکم اصول کے بدلنے کے بعد کوئی فائدہ کی صورت نکل سکے گی۔ جہانتک ہندوستان کا تعلق ہی ہمارے خیال مین اصول آزادی تجارت بحالت موجودہ مفید نہین ہی بلکہ ہندوستان کو صناعی کا مرکز اور اپنی ضرورتون پر حاوی بنانے کے لیئے ضرور ہی کہ مصنوعات ممالک غیر پر کم سے کم اسقدر محصول لگایا جائے کہ دیسی مصنوعات بدرجہ مساوی اُنکا مقابلہ کرسکین لیکن ہمکو دوسرے ممالک کی چندان پرواہ نہین ہی ہمارا اصلی مقابلہ مصنوعات انگلستان سے ہی اور تاوقتیکہ انپر محصول نہ لگایا جائے ہماری مصنوعات کوئی مادی ترقی نہین کرسکتین۔ پس اگر ہمارے مقابلہ مین انگلستان کی تجارت آزاد رہی تو دوسرے ممالک کے مصنوعات پر محصول لگانیکا ضرر یہ نتیجہ ہوگا کہ جو چیز ہمکو آج باہمی مقابلہ کی وجہ سے سستی ملتی ہی وہ گران ملنے لگے گی اور اُسکا اثر ایک ایسے مفلس ملک پر جیسا کہ ہندوستان ہی جہان اوسط آمدنی فی کس [illegible] سالانہ سے زیادہ نہین ہی جو کچھ پڑیگا وہ کسی تشریح کا محتاج نہین ہی۔ ہماری بیرونی تجارت خام پیداوار تک محدود ہی اور چونکہ یہ ممکن نہین ہی کہ نوآبادیون کے مقابلے مین ہماری تجارت کی حفاظت کیجائے اسلیئے جہانتک غور کیا جاتا ہی صرف روئی اور اجناس وغیرہ دار کے متعلق شرح محصول ترجیحی لگائی جاسکتی ہی مگر اسوجہ سے کہ ہماری روئی اعلیٰ درجہ کی نہین ہوتی زیادہ فائدہ کی اُمید نہین ہوتی لیکن جہانتک باقی اجناس کا تعلق ہی گمان غالب ہی کہ اس جدید پالیسی کیوجہ سے اُنکی خریداری کے متعلق جو مقابلہ رہتا ہی اُسمین بھی کمی ہوجائیگی اور مقابلہ کی کمی نرخ کی ارزانی کا موجب ہوگی اور ظاہر ہے ارزانی کا اثر ہندوستان جیسی زراعتی ملک پر پڑیگا غرض کہ اس تبدیلی پالیسی کا جہانتک کہ ہندوستان کا تعلق ہی یہی نتیجہ نظر آتا ہی کہ ممالک غیر کی جن چیزونکی ہمکو خواہش ہے وہ گران ہوجائینگی اور ہماری جن چیزونکی ممالک غیر کو حاجت ہی وہ ارزان ہوجائینگی گویا کہ دونون طرح پر ہمارا ہی نقصان ہوگا۔ اگر نوآبادیونکی طرح ہم بھی انگلستان اور دیگر مقبوضات انگلستان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرسکین جیسا کہ ممالک غیر کے ساتھ کیا جانا تجویز ہوا ہی تو فائدہ کی صورت نکل سکتی ہی لیکن ایسا ہونا معلوم اور اگر ہو بھی تو ہندوستان بوجہ اپنے افلاس اور تعلیمی حالت کے اسوقت جھگڑے کیلیئے تیار نہین ہے۔

صنعت وحرفت کی تعلیم کی ضرورت[۱]

اگر ضرورت زمانہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ دعویٰ کہ قومی ترقی کے لیے مدارس صنعت وحرفت کا قیام لازمی ہے - اقلیدس کے اصول موضوعہ کی طرح کسی دلیل یا ثبوت کا محتاج نہیں ہے - لیکن اگر یہ خیال کیا جائے کہ ہم اور ہماری قوم ضروریات زمانہ سے کس قدر دور ہیں تو معلوم ہوگا کہ اس ساحل پر ایک طرف تو رسم و رواج کی طوفان خیز موجیں جن کے پھیلاؤ اور زور کو قدامت پرستی اور امتداد زمانہ نے اور بھی بڑھا دیا ہے ٹکراتی ہیں اور دوسری طرف نئے خیالات کا مدوجزر جس کو سر سید احمد اور انکی تعلیم کے مقناطیسی اثر نے اعلیٰ تعلیم کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے زور سے حملہ آور ہے - غرضکہ ان مخالف موجوں کی کشاکش کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ تعلیم صنعت وحرفت کی کشتی مدتوں سے دور ہی دور سے منڈلاتی ہوئی نظر آرہی ہے مگر ابھی تک ساحل مراد کے قریب نہیں پہونچنے پائی - پس قبل اسکے کہ ان قدیم وجدید تعصبات پر غور کیا جائے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ تعلیم صنعت وحرفت سے کیا مراد ہے اور اُسکے فواید کیا ہیں گو کہ بمبئی جیسے شہر میں جہاں ہر طرف صنعت وحرفت کے عالیشان شواہد موجود ہیں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی -

اُس بھولے بھالے زمانے کا ذکر کرنا تو اب فضول ہوگا جبکہ انسان سوائے لباس عریانی کے اور کسی لباس سے آراستہ نہ تھا اور سوائے حوائج ستہ کے دوسری ضرورتوں سے ناواقف تھا لیکن مادہ تعقل نے جو اُس کو دوسرے حیوانوں سے متمیز کرتا ہے بہت جلد اُس کو ابتدائے سادگی سے نکال کر میدان تمدن میں پہونچا دیا اور سعدی بنی آدم اعضائے یک دیگر اند کا مضمون اچھی طرح اُسکے ذہن نشین کیا -

[۱] یہ تقریر محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں سنہ ۱۹۰۳ء میں کیگئی تھی -

تمدن نے اُسکے حوائج مین توسیع کی۔ اور اس توسیع نے ہرفرد واحد کو دوسرے کی
محنت اور دماغ کا محتاج بنا دیا صنعت وحرفت کا فلسفہ یہی ہو اور اس سے یہ لازمی
نتیجہ نکلتا ہو کہ اقوام متمدنہ مین سب سے قوی اور بابرکت قوم وہی ہوگی جو اپنی
ضرورتون کے پورا کرنے پر قادر ہو۔ اور سب سے ردّی اور ذلیل حالت اس
قوم کی ہوگی جو ضروریات زندگی کے لحاظ سے دوسرون کی محتاج ہو۔ تاریخ
بتاتی ہو کہ قدیم مصری اور کلدانی اقوام سے لیکر زمانۂ موجودہ کی ترقی یافتہ اقوام
یوروپ تک جب کسی قوم نے میدان ترقی مین قدم رکھکر اولوالعزمی کی دوڑ
مین بازی لی ہے تو گو ابتدا مین اُسکی ترقی کا پایہ اُس کے افراد کی جرأت و
استقلال اُسکے سپہ سالارون کی اولوالعزمی و تدبیر اور اُسکی فوج کی دلیری و سپہ گری
اور آلات حرب کی عمدگی و مشاقی نے ڈالا ہو لیکن اُسکو قیام اور پائداری جب
ہی نصیب ہوئی ہو جبکہ اُسکے صناعون کی محنت ہنرمندی اور دستکاری دوسری
اقوام کی ضرورتون پر حاوی ہوگئی ہے۔ انگلستان اور امریکہ کی ترقی کا یہ راز
نہین ہے کہ اُنکی بحری اور برّی قوت دوسری مہذب اقوام سے زیادہ ہے بلکہ
اُنکی عظمت وجبروت کا اصل راز یہ ہو کہ اُن کے ہاتھ کے ہنر نے دُنیا کی تمدنی
ضرورتون کا احاطہ کرلیا ہے اور اُسی کی بدولت ہم آج یہ تماشا دیکھتے ہین کہ ادھر
انگلستان مین مسٹر چیمبرلین جیسے با اثر وزیر اور بیدار مغز مدبر کو جب معلوم ہوا کہ
زمانۂ موجودہ کی عظمت دیوی آزادئ تجارت نے اپنے پرستش کرنے والون سے
مُنہ موڑ لیا اور اسکی انصاف پسندی یا تغافل بہت جلد انگلستان کی صنعت وحرفت
کا خاتمہ کردے گی تو نہ اُنھون نے اپنے اعلیٰ مرتبہ کا خیال کیا نہ دوستون کے چھوٹنے
نہ دشمنون کے بُرا کہنے اور نہ لوگون کے جمے ہوئے تعصبات کا بلکہ سب سے قطع نظر کرکے
نہایت مردانگی کے ساتھ مقابلے کے لیئے تیار ہوگئے اور اُدھر پریسیڈنٹ روزوِلٹ
کی دوربینی وعاقبت اندیشی نے اُن کو ٹرسٹس کی مخالفت پر آمادہ کیا اور دوسری
طرف لارڈ روزبری جیسا بیدار مغز رکن قوم باوجود قوم کے اسقدر ترقی کرجانے کے
موجودہ وسائل تعلیم صنعت وحرفت کو ناکافی ظاہر کرکے ایک اعلیٰ درجے کے
انسٹیٹیوٹ کے قیام پر زور دے رہا ہو۔ یہ ہین قومی ترقی کے آثار وعلامات جس قوم

اگر آپ تاریخ ترقی یورپ پر غور فرمائینگے تو بھی یہی معلوم ہوگا کہ عہد وسطی
مین جسکو عصر تاریک کا لقب تاریخ نے دیا ہی کوئی نصاب تعلیم دنیوی کا مروج نہ تھا بلکہ
تعلیم کا دارومدار مذہب پر تھا اور جب سے کہ تعلیم مذہب کی قید سے آزاد ہوئی ہے
اُسی وقت سے یورپ کی دنیوی ترقی کی بنیاد پڑی ہے۔ اگرچہ عروج اسلام کے زمانے
مین سینکڑون مدرسے ہر ملک مین موجود تھے لیکن سوائے کاریگرون کی دوکانونکے
کوئی ایک مدرسہ بھی صنعت وحرفت کا نہ تھا اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ رفتہ رفتہ خود صنعت
حرفت ہی کو ذلیل سمجھنے لگے اور اُسی کا خمیازہ آج ہم قومی ادبار وافلاس کی صورت
مین کھینچ رہے ہین۔ وہ زمانہ کچھ دور نہین ہے جبکہ ہندوستان دُنیا مین صناعی کا مرکز
سمجھا جاتا تھا اور کوئی ملک ایسا نہ تھا جو ہمارے صناعون کی ہنرمندی کا محتاج نہو یا
یا اب یہ زمانہ ہے کہ ہم سوئی سے لیکر ریل تک کے لیئے دوسرون کے محتاج ہین اور اُسکا
باعث سوائے اسکے کچھ نہین ہے کہ صنعت وحرفت کو جاہل اور نادان لوگون کے
ہاتھ مین جو ضرور یات زمانہ سے واقفیت پیدا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے
چھوڑ دیا گیا اور تعلیم صنعت وحرفت کی طرف کبھی توجہ نکی گئی۔

مجھے اُمید ہی کہ مین نے کافی وضاحت کے ساتھ ثابت کردیا ہے کہ ملکی وقومی
ترقی مین صنعت وحرفت کا کیا درجہ ہی۔ اور اب اس امر کی ضرورت ہے کہ قدیم و
جدید لوگون کے جو اعتراضات تعلیم صنعت وحرفت پر ہین۔ اُن پر تھوڑی دیر کے لیے
غور کیا جائے۔ اگرچہ اس روشنی کے زمانے اور خاصکر اس روشن خیال کانفرنس
مین بہت کم لوگ ایسے ہونگے جن کو علانیہ پیشہ کو حقیر کہنے کی جرات ہو لیکن پھر بھی
قدیم اور جدید خیال کے لوگون مین بہت کم لوگ ایسے ہین جنکے دلمین چور موجود نہو
گو اس مین شک نہین کہ مسلمانان بمبئی جنکے مطمح نظر کو کاروبار تجارت نے وسیع کردیا
ہے اس سے بڑی حد تک بری ہین۔ اگر آپ اپنے ہادی برحق کی سچی تعلیم پر غور کرینگے
تو معلوم ہوگا کہ اُسنے اپنے ہاتھ کی محنت کو اکل حلال کا اعلی درجہ قرار دیا ہی اور اگر
آپ اپنی تاریخ کے زرین صفحون کو نظر غائر سے دیکھکر اُن بزرگ اور باعظمت لوگونکی
سوانح عمری کو ملاحظہ فرمائینگے جنھون نے زمانے کی لوح سادہ پر ایسے نقش چھوڑے
ہین جو ہمیشہ یادگار رہینگے تو معلوم ہوگا کہ پیشہ باعث ذلت نہ تھا بلکہ بڑے بڑے

لوگ پیشہ ور تھے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جنکی تقلید کو اسوقت بھی کئی کروڑ مسلمان ذریعہ نجات سمجھتے ہین بزاز تھے شمس الائمۃ حلوائی کا پیشہ جو آسمان فقہ پر آفتاب ہو کر چمکے اُنکے نام سے ظاہر ہے۔ کون ایسا مسلمان ہے جو منصور حلاج اور فریدالدین عطار کی بزرگی و عظمت سے انکار کرے گا۔ علامہ مقری نے تاریخ اندلس مین لکھا ہے کہ سلاطین بنی امیہ کا قاعدہ تھا کہ ولیعہد کو ضرور کسی نہ کسی پیشہ کی تعلیم دیتے تھے مثلاً کسی کو حدادی کی تعلیم دیجاتی تھی تو کسی کو صحافی کی اور کسی کو نجاری کی اور ہندوستان مین بھی شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی کتابت کے ذریعے سے اپنی گذر اوقات کرتا تھا۔ دور کا ہے کو جائیے خود ہمارے شہنشاہ معظم ملک ایڈورڈ ہفتم کے نصاب تعلیم مین موچی گری بھی داخل تھی اور اُس سے یہ اور بھی اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ ہمنے اپنے شعار قومی کو پس پشت پھینک دیا ہے۔ مگر جن قومون کا ستارہ اقبال بلند ہو وہ اُنھین اُمور کو نہایت خوشی سے اختیار کرتے ہین۔ پس اسقدر تفصیل کے بعد کیا کوئی ایسا مسلمان ہے جو اپنے ہادی برحق کی تعلیم سے منکر ہوا ور امام اعظم اور شمس الائمہ حلوائی اور فریدالدین عطار کے ساتھ شمار ہونے مین ننگ و عار سمجھے اور اگر کوئی ہے تو ع

وائے گر در پس امروز بود فردائے

قدیم لوگون کے اعتراضات رفع کرنے کے بعد مین تھوڑی دیر کے لئے جدید لوگون کے اعتراضات کی طرف توجہ کرتا ہون۔ کہا یہ جاتا ہے اور بڑے زور و شور سے کہا جاتا ہے کہ قوم کو ابھی اعلےٰ تعلیم کی ضرورت ہے اور تاوقتیکہ یہ ضرورت پوری نہو دوسری طرف توجہ کرنا گویا اپنی قوت کو کم کر دینا ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ابھی قوم کو اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ہے اور مصلحان قوم کا اس طرف متوجہ رہنا لازمی ہے لیکن جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے متعلق قوم مین ایک عام تحریک پیدا ہو گئی اور ہوتی جاتی ہے اور جو لوگ اعلیٰ تعلیم کے گران مصارف برداشت کر سکتے ہین اُنمین بہت کم ایسے ہین جو اپنی اولاد کو اُسکے بے بہا فوائد سے مستفیض کرنے کے خواہشمند نہون اور نیز یہ سوچا جائے کہ ہماری قوم پر افلاس کس قدر غالب آگیا ہے اور کسقدر کم افراد ہین جو اعلیٰ تعلیم کے مصارف برداشت کر سکتے ہین تو ظاہر ہوتا ہے کہ قوم کے چند افراد کی خاطر بڑے حصہ کی ضرورتون کو بالکل نظرانداز کر دینا قومی خیرخواہی نہین ہے۔

اسی کے ساتھ ملکی حالت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے اور زراعت کی آمدنی جیسی غیر یقینی اور اتفاقات ارضی و سماوی پر منحصر ہوتی ہے وہ ظاہر ہے اور اگر بالفرض ہر امر میں زمانہ سازگار ہو تو بھی آمدنی اتنی نہیں ہو سکتی کہ دولتمندی پر پہونچا سکے۔ تاریخ عالم میں کوئی مثال اس امر کی موجود نہیں ہے کہ کوئی ملک محض زراعت کی وجہ سے دولتمندی کے درجے پر پہونچا ہو۔

اعلیٰ تعلیم اگرچہ ہمکو افلاطون اور ہربرٹ اسپنسر کا مدمقابل بنا دے لیکن دُنیا کے پوشیدہ خزانوں کی کنجی ہمارے ہاتھ میں نہیں دے سکتی اور اسی لیئے اگر ہم ملکی خیرخواہی کا دم بھرتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ تعلیم صنعت وحرفت کی طرف توجہ کریں۔ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ تعلیم انسان کے دماغ کی جلا کرکے اُسکو اپنی فطرت کی تکمیل کا راستہ بتاتی ہے اور دنیوی طور پر بھی سلطنت میں حصہ لینے کے لیئے ضروری ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ نہ تمام قوم اپنی فطرت کی تکمیل اور دماغ کے انجلا میں مصروف ہو سکتی ہے اور نہ ہر شخص سلطنت میں حصہ پا سکتا ہے۔ گو ہماری قوم میں اعلیٰ تعلیم کی اشاعت جیسی کہ چاہیئے ابھی تک نہیں ہوئی ہے پھر بھی ایک بہت بڑا گروہ تعلیمیافتہ نوجوانوں کا ملک میں پیدا ہو گیا ہے لیکن افسوس ہے کہ انمیں سے اکثر تلاش معاش میں سرگردان و پریشان نظر آتے ہیں اور روز بروز اس پریشان حال گروہ کی تعداد جس کا وجود ملک اور سلطنت دونوں کے لیئے مضر ہے بڑھتی جائے گی۔ جیسا کہ ہندوستان کی دوسری اقوام میں دیکھا جا رہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ فلسفہ کے مسائل یا علم ادب کے لطائف یا تاریخی رموز پیٹ نہیں بھر سکتے۔ اس کمبخت کے تکلیف دہ تقاضوں کے روکنے کے لیئے کسی اور ہی چیز کی ضرورت ہے۔ برخلاف اسکے تعلیم صنعت وحرفت کی تعریف صحیح طور پر تعلیم قابل بیع وشرا کی گئی ہے جس کے ہاتھ میں کوئی ہنر ہے وہ کبھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔

اس کے علاوہ اگر ہم اپنے گرد وپیش دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہماری معاصر قومیں اس شدید ملکی ضرورت کی طرف متوجہ ہو گئی ہیں جیسا کہ نیشنل کانگریس کے متعلق صنعتی نمائش قائم کرنے سے ظاہر ہے۔ پس اگر ہم بروقت بیدار نہ ہوئے تو پھر وہی اعلیٰ تعلیم کا پرانا قصہ پیش آئے گا کہ وہ آگے نکل گئے اور ہم جہاں تھے وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

سر سید احمد خان نے جب اعلی تعلیم کا جھنڈا بلند کیا ہی تو اُس وقت ہماری قوم مین کسی قسم کی تعلیم کا وجود نہین تھا اور اس لئے اُنھون نے سب سے پہلے تعلیم کے اُس حصہ کو لیا جو دماغ کی روشنی کا موجب ہوتا ہے اور اُن کا بالیقین یہی خیال تھا کہ جب قوم مین روشن ضمیری پیدا ہوگئی اور وہ مُلک کی حکومت مین اپنا حصّہ لینے کے لائق بنگئی تو دوسری طرف خود بخود متوجہ ہو جائے گی۔ پس ہم جو کچھ کرنا چاہتے ہین وہ یہ نہین ہے کہ اعلی تعلیم سے غافل ہو جائین یا اُسکے متعلق اپنی کوششون کو سُست کردین بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ سر سید احمد خان کا جو اصل مرکز اعلی تعلیم کی اشاعت سے تھا اُس کو پورا کرین۔

پس اے صاحبو اگر آپ اپنے ملک کے خیر خواہ اور قوم کے ترقی طلب ہین اگر آپ اپنی اولاد کو قعر افلاس سے جو مُنہ پھاڑے اُن کا منتظر ہے محفوظ رکھنا اور میدان ترقی مین اپنی معاصر قومون سے پیچھے رہنا نہین چاہتے تو آپ پر لازم ہے کہ آپ تعلیم صنعت وحرفت کی طرف توجہ کرین اور دامے درمے قدمے کوشش کرکے ایسے وسائل بہم پہونچائین جو قوم اور ملک کو اُس کی برکتون سے فیضیاب کرسکین۔

سوتاڑہ

بہارستان فطرت میں پہاڑوں کا ایک عجیب مرتبہ ہے۔ کیسا ہی معمولی منظر ہو لیکن اگر وہ کسی اونچے پہاڑ پر منتہی ہوتا ہے تو اسمیں عجیب دلفریبی پیدا ہو جاتی ہے۔ دور سے سرسبز سربفلک کشیدہ پہاڑ نظر آ کر مُردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو شفاف بیشمیں چشمے اُن سے جابجا اُچھلتے کودتے نکلتے ہیں وہ اپنی مجموعی قوت سے دریا بہاتے اور عالم کی سرسبزی و شادابی کا موجب ہوتے ہیں۔ یہی پہاڑ ہیں جنکا نظارہ انسان کو اپنی بے حقیقتی و بے بضاعتی کا دل ہی دل میں قائل کر کے کسی اور عالم میں پہونچا کر معرفت الٰہی کا سبق پڑھاتا ہے اور انھیں پہاڑوں کے تاریک کھوؤں کی خوفناک تنہائی میں نفس امارہ کا ستایا ہوا انسان گوشہ گزین ہو کر عبادت و ریاضت کے بدولت قید جسمانی سے آزاد ہو کر کسی اور ہستی کی سیر کرتا ہے۔ یہی پہاڑ ہیں جو ہزارہا سال سے بیش بہا جواہرات کو جگر گوشوں کی طرح سینہ میں چھپائے ہوئے چلے آتے ہیں اور سختی مقابلہ سے انسان کی بہترین کوششیں بھی بہ مشکل اُن تک رسائی ہونے دیتے ہیں۔ انھیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکھرے ہوئے سنگریزے ایسے ایسے سمندروں اور دور دراز طوفانوں کو یاد دلاتے ہیں جن کے مقابلے میں گویا طوفان نوح کل ہوا ہے۔ غرضکہ پہاڑ زمانہ قدیم کی جہاں تک کہ مورخوں کا ذہن بھی رسائی نہیں کر سکتا زندہ تاریخ اور انسان کے لیے عجب مایۂ دولت و عبرت ہیں۔

ضلع [illegible] کی خوش قسمتی ہے کہ مغربی گھاٹ کا شمالی حصہ آدھے ضلع کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور گو ان پہاڑوں میں بڑا نقص ہے کہ درختوں سے جو در اصل ان کا زیور ہیں بالکل خالی ہیں اور اُن کا بالائی حصہ کوسوں تک انسان و حیوان کی سکونت اور پرورش کے لیے بچھاتا ہوا چلا گیا ہے۔ اور صرف نظر کے قدم قدم پر چھوٹے اور بڑے

[illegible]

اور جب تھوڑی دیر مین پھر سیڑھیان نمودار ہوتی ہین تو پھر پہلے کی طرح گرتا پڑتا آگے بڑھتا ہوا اور بالآخر خدا خدا کر کے کوئی آدھ گھنٹہ کی سخت محنت مین جو اُسکو پسینے پسینے کر دیتی ہو۔ نیچے کی سطح پر قدم رکھتا ہو۔ مگر وہان پہونچتے ہی ایسا ہوش رُبا سین دیکھتا ہو جو تمام کلفتونکو آن کی آن مین بھلا دیتا ہو۔ دو طرف سر بفلک کشیدہ سنگلاخ دیوارین نظر کو روکتی ہین۔ جن پر جا بجا کسی دیہاتی مگر ہنر ور انسان نقاش نے اپنے غیر تربیت یافتہ ہاتھون سے آدمی نما پتلونکی بیڈول تصویرین ناواقف اُترنے والون کی رہبری کیلئے بنا دی ہین۔ جنوب کی طرف جہان تک نظر جاتی ہو کھیت ہی کھیت پھیلتے ہوے چلے گئے ہین جنمین ایک شفاف ندی جس کا پھاٹ فاصلے کے ساتھ بڑھتا جاتا ہو بہ رہی ہو۔ شمال کیطرف آبشار ریل کی طرح شور مچاتی ہوئی گر رہی ہو۔ مگر درختون کے جھرمٹ کی وجہ سے نظر نہین آتی بیچ مین ایک بلورین چشمہ اپنی پہاڑی ندی مین عجب مستانہ چال سے لڑکھڑاتا قدم قدم پر گول اور نوکدار اور چوڑیل چھوٹے اور بڑے سنگریزون سے ٹکر کھاتا ہوا بہ رہا ہو اور ہر طرف بڑے بڑے درخت اُس کے سرد اور شفاف پانی کو آفتاب کی گرمی اور پہاڑی ہواؤن کے تند جھونکون سے محفوظ رکھنے کے لئے چھتریان لگائے کھڑے ہین جنمین سے چھن چھن کر آفتاب کی زرد کرنین سطح آب پر گرتی اور پانی مین مہتاب کے چھوٹنے کا سمان دکھاتی ہین چشمہ کے اُدھر پتون مین چھپی ہوئی وہی عمارت جس کا عکس اوپر سے نظر آیا تھا دکھائی دیتی ہو اور جب چشمہ کو عبور کر کے دوسری طرف پہونچتے ہین تو معلوم ہوتا ہو کہ بلند کرسی پر ایک چھوٹا سا مندر ہو۔ جو کسی فطرت پرست رشی نے اس ہوش رُبا مقام مین جہان ہر شئے صانع حقیقی کی لاجواب صنعت کا پتہ دے رہی ہو۔ اطمینان قلب سے صحیفہ فطرت کی ورق گردانی مین مصروف ہوکر راز ہستی کے حل کرنے کی نیت سے بنایا ہو۔ اس دلربا مندر کی سیر اور اُس کے بانی کے لاجواب انتخاب پر داد دیکر انسان درختون کے سایہ مین چشمہ کے کنارے کنارے اُس کی دل لبھانے والی خوش فعلیون کا نظارہ کرتا ہوا شمال کی طرف بڑھتا ہو اور جونہی کہ درختون کے جھنڈ سے سر نکالتا ہو تو ایک عجب جانفزا منظر نظر کے سامنے آجاتا ہو۔ شور ایسا ہو کہ کان پڑی آواز سنائی نہین دیتی مگر معلوم یہ ہوتا ہو کہ ایک دریا ہو کہ اُمڈا ہوا چلا آتا ہو جس سے نظر کو حیرت کے ساتھ تسکین بھی ہوتی ہو جب عالم محویت مین قدم

بڑھاتا اور بھی قریب ہوتا اور نظر اُٹھا کر دیکھتا ہے تو پہلے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک بلور کی چادر ہوا مین لٹکی ہوئی ہو مگر کسی قدر نیچے آکر اس چادر کے ٹکڑے ہو کر کئی دھارین بنجاتی ہین اور تھوڑی دور تک یہی کیفیت رہتی ہو پھر ہر چھوٹی دھار بڑی بڑی بوندون کی شکل مین منتقل ہوتی ہو جن کی جسامت فاصلہ کے ساتھ گھٹتی جاتی ہو یہان تک کہ جب نیچے پہونچتی ہین تو چھوٹی ہوتے ہوتے جزو لا یتجزی کا ثبوت دیتی ہوئی دھوئین کی شکل مین نمودار ہوتی ہین لیکن یہان کی خاک بھی اکسیر کا حکم رکھتی ہو کہ یہ موہوم اجزا اسکے مائی سطح تحتانی سے ملحق ہوتے ہی پھر ایک زوردار چشمہ بنجاتے ہین یہ نظارہ اس قدر دلفریب ہے کہ انسان گھنٹون عالم محویت مین نظر جمائے کھڑا رہتا ہے پھر دفعتاً خیال آتا ہے کہ شام ہوئی جاتی ہو واپس چلنا چاہیے مگر شوق کے تقاضے اور ہمت دلانے نے یہان تو پہونچا دیا تھا لیکن اب واپسی کا رستہ دوبھر بہر حال جس طرح بھی ممکن ہے با دل ناخواستہ گرتا پڑتا بیٹھتا اُٹھتا چلا بچا پانی سے حلق تر کرتا ہوا اوپر پہونچتا ہے اور تھک تھکا کر بدن تختہ سا ہو جاتا ہو اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

[illegible]

[illegible]

ނިމުނީ

آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس ناٹک کی خوبیان نہایت تفصیل سے بنگالہ کے
مشہور عالم ڈاکٹر نشی کانت مرحوم نے دو لکچروں مین بیان کی ہے اور جن لوگون کو شوق ہو
وہ اُن سے فائدہ اُٹھا سکتے ہین۔ چونکہ مرچھکٹیکا سب سے قدیم ناٹک ہے اس لیئے
مناسب یہی ہے کہ انتخاب کی ابتدا بھی اُسی سے کی جائے۔ ہمنے موسمی مناسبت
سے ایک ایسا سین منتخب کیا ہے جسمین ابر و باران کا لطف عجیب دلفریب پیرایہ
مین دکھایا گیا ہے اور گو ہمارے اعمال کی بدولت اسوقت نسیم بہار کے بجائے بادِ
سموم کالی گھٹاؤنکے بجائے گرد و غبار کی دل بادل نوکی بجائے انحطاط باران رحمت
کے بجائے سیل فنا اور ساون کی خوشگوار تسکین بخش جھڑیون کے بجائے آگ سے زیادہ
گرم اور تیر سے زیادہ تیز آفتاب کی شعاعین انسان و حیوان کو بیتاب کر رہی ہین لیکن
مشہور ہے کہ اگر یار نہو تو ذکر یار ہی باعث تسکین ہوتا ہے اور اس لیئے کیا عجب ہے
کہ تھکی ہوئی نگاہ کیلیئے یہ ؎ گلزار صفحے ہی مرغزار کا کام دین۔ ناظرین ملاحظہ
فرمائین گے کہ شدرک نے برسات کے جنون خیز مناظر کی تصویر کیسے تیز قلم سے کھینچی
ہے اور اُن کو دیکھ کر جو وحشت انگیز مگر دلکش جذبات پیدا ہوتے ہین اُن کا سمان
کس خوبی سے دکھایا ہے۔ اِس سین کے پوری طرح سمجھنے کے لیئے غالباً اس امر کا
بتا دینا ضروری ہو کہ مرچھکٹیکا کا ہیرو ایک نہایت نیک نفس اور شریف خاندان برہمن
ہے جو اپنے فیاض ہاتھون کی بدولت مفلس ہوگیا ہے اور ہیروان ایک دولت مند
حسین شاہد بازاری وسنت سینا ہے جس کا دل اپنے فرقہ کے آئین کے خلاف
محبت و وفا سے معمور ہے۔ وِیٹ مصاحب یا اتالیق کو کہتے ہین جس کو فن موسیقی
مین خاص طور پر دخل ہوتا تھا۔ پس یہ سمجھنا چاہیئے کہ شام کا وقت ہے اور وسنت
سینا وِیٹ کے ہمراہ اپنے محبوب چارودت کے یہان جارہی ہے کہ راستے مین گھٹا
اُٹھتی ہے اور مینھ برسنے لگتا ہے اور اُسی حالت مین اُسکے اور وِیٹ کے مابین یہ مکالمہ
ہوتا ہو۔ اب شاعر کا کمال دیکھنا چاہیئے کہ اُسنے یہ دل رُبا منظر تین علیحدہ شخصون کی
نگاہ سے دکھایا ہے جن کے دلون مین مختلف قسم کے جذبات موج زن ہین۔ سب سے
پہلا تو وِیٹ ہے جو محض اوپری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ دوسرے وسنت سینا جس کو
اشتیاق وصال اپنے محبوب کے گھر کھینچے لیئے جارہا ہے اور اِس لیئے وہ اُسکو

؎ یہ مضمون ۱۹۲۰ء کے موسم میں لکھا گیا تھا۔ HEROINE ؎

[illegible]

دوان اندھیرے نے چاند کو ایسا گم کر دیا ہے جیسے ریاکار اپنی شرمناک زندگی
کو تقدس کے جامہ مین چھپا لیا کرتے ہین۔ بجلی کسی حسن فروش مہ جبین کی طرح جس کی
نیکنامی تلوّن اور ہرجائی پن کی نذر ہو چکی ہو ایک جگہ دم بھر نہین ٹھہرتی بلکہ آسمان پر
تڑپتی پھرتی ہے۔

وسنت سینا۔ واہ کیا کہنے۔ مگر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سواسی رات جو
اندھیرے کے ساتھ مزے اُڑانے مین مصروف ہے مجھے اپنی سوکن سمجھکر
دور ہی سے روک رہی اور جھلا جھلا کر لوٹا رہی ہے کہ مین کہین اُس کے عیش
مین مخل نہون۔

ویٹ۔ تو تم بھی اُسکو ذرا کڑک کر جواب دو اور لعن طعن کر کے راہ پر لے آؤ۔

وسنت سینا۔ لعن طعن تو ہمارے فرقہ کا زیور ہے لیکن یہان کچھ نہین چلتی۔
لیکن ہان امین اُسکی پرواہ کرون تو کیون! ایلا سے بدلیان پھٹ پڑین بادل گرجین
اور مطلع آسمان سے بان پر بان دہکتے ہوئے گرین مگر وہ جری عورت جس کا سینہ
عشق و وفا سے معمور ہے کبھی پیچھے نہین ہٹ سکتی اُسکا قدم آگے ہی بڑھتا چلا جائیگا
خواہ جنون خیز طوفان کیسی ہی بلائین نازل کرے۔

ویٹ۔ یہ ابر کا ٹکڑا کسی حملہ آور راجہ کی طرح جو اپنے مغلوب دشمن کے دار السلطنت
مین دربار کرنیکے لیئے جارہا ہو ہوا کی فوج جھڑیون کے نوکدار تیرون اور بجلی کی جگمگ
کرتی جھنڈیون کے ساتھ رات کے راجہ پر خود اُس کے آسمانی قلعہ مین حملہ کرنیکے لیے
بڑھ رہا ہے۔

وسنت سینا۔ نہین نہین ایسا نہین ہے۔ مین خوب سمجھتی ہون کہ یہ دھواندھار
بادل جو کبھی بیڈول ہاتھیون کی طرح اپنی بھاری لاشین سنبھالے جھومتے جھامتے
بڑبڑاتے چلتے ہین اور کبھی بگلون کے منڈلاتے قطارون سے سفید سے معلوم ہونے
لگتے ہین دل کو غم کا سبق دینے کے لیئے اُٹھے ہین۔ سارس کی تیز چیخین طنبورہ
کے دلسوز ٹھیکون کا کام کر رہی ہین جس پر کسی ہجر کی ماری دکھیاری کی انگلیان
جس کا دل اپنے پیا کے پردیس سے واپس آنے مین [illegible]
ہر سُریلی گت جو موسم برسات کا خیر مقدم کرتی ہو اُس کے لئے [illegible]

جراحتِ دل ہو۔
وسیٹ۔ دیکھو وہ سامنے گرانڈیل بادل ہاتھی کی طرح مُنھ اُٹھائے کھڑا ہے اور بگلون کی سفید قطارین اُس کے سر بند باندھ رہی اور بجلی کوند کوند کر سرپیچ پور کر دی ہے۔

وسنت سینا۔ کیا خوب۔ دیکھا یہ گھنگھور اندھیرا جو سیاہی مین تاڑ کے تر بتر پتّون کو مات کر رہا ہے دن کو کیسا صاف نکل گیا اور وہ دیکھو سامنے دیمک کے ٹیلے مینھ کی جھڑیون سے دب دبا کر اسی طرح غائب ہوتے جا رہے ہین جیسے میدان جنگ سے تتر بتر ہاتھی تیرون کی بوچھار سے دُم دبا کر چھپنے سے کھسک جایا کرتے ہین۔ بیقرار بجلی ہر طرف مندرون کی طلائی قندیلون کی طرح پُر نور شعاعین پھیلا رہی ہے اور ڈیوک چاندنی غریب کی جورو کیطرح بادلون کے پیچھے سے ڈرتی کانپتی جھانک رہی ہے۔

وسیٹ۔ دیکھو وہ بدلیان ہاتھیون کی قطارون کی طرح بجلی کی چمکدار رسیون مین جکڑی اپنے عظیم الشان مالک کے احکام کی تعمیل مین خرامان خرامان جا رہی ہین اور ایک چاندی کی زنجیر سی آسمان سے زمین تک لٹک رہی ہے نیلی فلک کے متحرک جسم سے جو بادِ بہاری کے ہلکے جھونکون سے ہم آغوش ہو کر پھولا نہین سماتا اور بجلی کے شعلون سے کف بدہان ہے۔ تیز جھڑیان ہیرے کی آنیوالے تیرون کی طرح گر رہی اور سطحِ زمین مین جو گلہائے رنگ رنگ سے مزین اور سوندھی سوندھی خوشبوؤن سے مہک رہا ہے گھسی جاتی ہے۔ طوفان نے آسمان کا بعینہ ایسا نقشہ بنا دیا ہے کہ گویا سمندر کی تاریک موجین تلاطم سے تنگ آ کر اُچھل اُچھل کر اپنا چمکتا ہوا سر ساحل سے ٹکرا رہی ہین۔

وسنت سینا۔ دیکھو سامنے وہ گھنگھور گھٹا دھکیان دیتی ہوئی اُٹھی جس سے تمام زمین و آسمان تیرہ و تار ہو گیا۔ کیا لطف ہے کہ مورنیان چیخ چیخ کر اُسکا خیر مقدم کر رہی ہین اور خوش طبع بگلے جوش مسرت سے اُسکے دامنون سے لپٹے جا رہے ہین مگر دور اندیش مرغابیان اُس پر فکر و تردد سے نظر جمائے ہوئے ہین۔

وسنت۔ آسمان اپنا چہرہ اندھیرے کی نقاب مین چھپائے ہوئے ہے جس کو بجلی کی تڑپ بھی بمشکل ہٹا سکتی ہے۔ دن اور رات بدو اس سے ہوکر ایک ہوگئے ہین اور اُن کی کنول سی آنکھین خوف کے مارے بند ہوئی جاتی ہین۔ گویا کہ دُنیا بادلون کے خوشگوار سایہ مین جو آسمان کے کونے کونے پر چھا گئے ہین سونے کے لئے بستر استراحت پر دراز ہے اور مینھ کے برسنے کی بھینی بھینی آواز لوری دے رہی ہے۔

وسنت سینا۔ سارے ستارے اس طرح غائب ہو گئے جیسے خبیث باطن لوگون کے دل سے احسان کی یاد۔ مطلع آسمان نور سے اُسی طرح عاری ہو رہا ہے جیسے شوہر کی غیر حاضری مین عورت کے چہرے سے رونق اُڑ جاتی ہے۔ درحقیقت ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آسمان کوئی دم مین گھل کر بہ جائے گا کیونکہ وہ اندر کے جان سوز بانون سے گھل گھل کر پُر شور سیلاب بن مین جو کنے کا نام نہین جانتے اُمنڈ رہا ہے۔ کبھی بادل چڑھتے ہین اور کبھی اُترتے ہین اور کبھی جھک زمین سے لگ جاتے ہین اور کبھی گرج گرج کر دھاڑنے لگتے ہین اور کبھی برسکر دریا بہاتے ہین اور کبھی غصہ مین آکر چہرہ سیاہ کر لیتے ہین۔

ویٹ۔ کبھی آسمان بجلی سے دمکنے لگتا ہے اور کبھی سفید بگلون کی قطارون کے دانت نکالکر ہنستا ہے۔ کبھی اندر کے تیر والی کمان (قوس قزح) سے جگمگا اُٹھتا ہے اور کبھی اُسکے دہکتے ہوئے بادل کی زد (بجلی) سے کڑکنے لگتا ہے۔ کبھی طوفانی ہوا اون کے تیز جھونکون سے گھبرا کر بیٹھتا ہے اور کبھی سمٹتے ہوئے بادلون سے جو کالے ناگون کی طرح لہراتے بل کھاتے چلے جا رہے ہین گھنگھور گھٹا کی شکل مین اُن دھوون کا سرمئی لباس زیب بدن کئے جو اُسوقت اُفق پر چھا جایا کرتے ہین جبکہ خوشبودون کے معطر بخور آسمان پر پیچ در پیچ زنجیر بناتے ہوئے چڑھتے ہین۔

وسنت۔ اے بادل تیرا بُرا ہو تو مجھے کیون کڑک کڑک کر دھمکیان دے رہا ہے اور اپنے آبی تیرون سے کس لیے میرا راستہ روک رہا ہے حالانکہ مین اپنے محبوب کے پاس جا رہی ہون۔ اے اندر سچ بتا مین نے کب تجھ سے عہد شکنی کی تھی کہ تو گرج گرج کر طعنے دے رہا ہے۔ تجھے تو میری راہ مین حائل ہونا زیبا نہین ہے اے اندر اگر کبھی تیرا دل لذت آشنائے اُلفت ہوا ہے اور کبھی تو اہلیہ کے شہ

[illegible]

اعتبار

دُنیا گزشتنی و گزشتنی ہے اور اگر کوئی شے خارزارِ ہستی کو آسانی سے گزر جانے کے قابل بناتی ہو تو وہ اعتبار ہے۔ در اصل ہمارا تعلق اعتبار کے ساتھ اس قدر قوی ہے کہ بغیر اعتبار کے ایک لحظہ ایک آن آسائش سے زندگی بسر نہیں کر سکتے راحت و اطمینان قلب کی تلاش مین ہم جس طرف بھی جاتے ہین اعتبار ہی اعتبار نظر آتا ہی۔ فطرت انسانی پر اگر باریک نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہی کہ انسان جب پیدا ہوتا ہی تو ہمہ تن اعتبار ہوتا ہی اور اس کی بدولت دُنیا اُس کو ایک سبز باغ معلوم ہوتی ہی اور ہر چیز سے خواہ وہ ضرر رسان ہی کیون نہو امید و اطمینان کی جھلکی نظر آتی ہے۔ اسی کا نام بچپن کی بھولی بھالی سادگی ہی اور یہی وہ چیز ہے جو اُس کے پاک صاف سیدھے سادے دل کو زنگ معصیت سے محفوظ رکھکر معصومیت کا نورانی جامہ پہناتی ہے۔ اُس کا ہر شخص کو دیکھکر پیار سے مسکرا دینا ہر شے کے پکڑنے کے لیے ننھے ننھے ہاتھ پھیلاتا اور ہر چیز کا لقمہ بنانے کے لیئے منہ کھول کر لپکنا اسی زیادتی اعتبار کے شواہد ہین۔ لیکن جب وہ وادی حیات مین آگے قدم بڑھاتا ہی تو بہت جلد اس راہ کی دشوار گزار صعوبتین اُس پر ثابت کر دیتی ہین کہ ہر چمکدار شے طلائے خالص نہین ہی اور نہ ہر سبزہ خوابیدہ تازگی بخش روح ہی۔ بلکہ اکثر اُس مین سانپ بچھو انسان کی گھات مین چھپے ہوئے بیٹھے رہتے ہین۔ بس ایسی حالت مین اگرچہ اِس وحشت خیز تجربہ کا ابتداءً مین یہ میلان ہوتا ہی کہ انسان اپنے سایہ سے بھی ڈرنے لگے لیکن اگر اُس کا دل قوی اور اُسکے جذبات کی رہبری کے لیئے صحیح اصول تربیت موجود ہوتے ہین تو اُس کو بہت جلد کھوٹے کھرے مین تمیز اور معلوم ہو جاتا ہی

[illegible]

[illegible]

تهلکہ مچا دیا تھا اور یوروپ اور ایشیا کو دس سال تک جنگ مین مصروف رکھا اسی طریقے سے کام لیا ہو۔ یہ لطافت بیان قابل ملاحظہ ہو کہ یونانی اپنے وطن سے دور شہر ٹرائی کا محاصرہ کئے نو سال سے پڑے ہین اور سختی مقابلے کی وجہ سے نہایت پریشان ہو گئے ہین اور ادھر اہل ٹرائی کی حالت اس طول و طویل محاصرہ کی بدولت نہایت خراب ہو رہی ہو۔ آخرکار دونون اِن بے پناہ مصیبتون سے نجات پانے کے لیے یہ تدبیر سوچتے ہین کہ یونانیون کی طرف سے مینی لاؤس جو ہیلین کا شوہر ہے اور اہل ٹرائی کی طرف سے پیرس جو اُسکو اڑا کر لایا تھا آپس مین لڑ کر فیصلہ کرلین اور اس عجیب و غریب جنگ کا تماشا دیکھنے کے لئے اُدھر شاہ اگمینن یونانی فوج کو لیے میدان جنگ مین کھڑا ہو اور ادھر شاہ پرائم اپنے تجربہ کار ضعیف العمر ندیمون اور مشیرون کے ساتھ شہر ٹرائی کی فصیل کے ایک برج پر بیٹھا ہو اور یہ عبرت انگیز سماں دیکھکر ہر شخص کے دلمین بے اختیار یہ خیال آرہا ہو کہ ایک بے وفا عورت کی خاطر ناحق اِتنے لوگون نے جان دی اور ایسی سخت مصیبتین جھیلنی پڑین کہ دفعتاً ہیلین شعلہ برق کیطرح اپنے جمال جہان آرا سے مجلس کو منور کرتی ہے اور اُسپر نظر پڑتے ہی ہر شخص کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہو۔

"کچھ تعجب نہین کہ اس حسن خداداد کی بدولت دُنیا نو سال کی طویل مدت سے جنگ و جدل مین مصروف ہو۔ کیسے دلربا انداز ہین اور کس بلا کی آن بان ہو۔ اگر چال ڈھال مین دیبی ہے تو شکل و شمائل مین رانی۔"

تمام ایلیڈ مین ہیلین کے حسن و زیبائی کی صرف اسی قدر توصیف ہے لیکن اب دیکھنا چاہیئے کہ اِن مختصر سیدھے سادے الفاظ مین کس بلا کا جادو بھرا ہوا ہے گو ہومر نے اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہین لکھا لیکن کیا کوئی تعریف اس سے بڑھکر ہو سکتی ہو۔ کتنا بڑا کمال ہے کہ اُس نے خود تصویر تو کجا ایک لکیر بھی نہین کھینچی لیکن پھر بھی رگ جان پر کچھ ایسا نشتر لگایا ہے کہ ہر شخص گردن جھکائے اپنے آئینہ دل مین ایک ایسی پیاری صورت موہنی مورت دیکھ رہا ہے کہ کسی طرح سر اٹھانے کو جی نہین چاہتا۔ کیا غضب ہے کہ ہندی ہو یا چینی۔ یونانی ہو یا مصری۔ جاپانی ہو یا حبشی سب کا دل یکسان بیقرار ہوا جاتا ہے اور اسکی وجہ کیا ہے۔ وجہ

یہی ہے کہ ہر شخص خواہ کسی قوم اور کسی خیال کا ہو پہلے ہی میں خود اپنی مثالیہ کی تصویر دیکھتا ہے۔

یہ لطافت بیان یہ نازک خیالی یونانیوں ہی کا حصہ تھی اور کسی اور قوم کو نصیب نہیں ہوئی اور اس لیئے دوسری قوموں نے زیادہ تر طریقہ خارجی ہی کو اختیار کیا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ طریقہ خارجی کی بھی دو قسمیں ہیں تشریحی و تشبیہی۔ تشریحی میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے صفات ذاتی و عرضی کی تصریح سے اصل کا تصور قائم کیا جاتا ہے اور تشبیہی میں یہی مقصود اُن اشیا سے مثال دیکر حاصل کرتے ہیں جنکا حسن و جمال مسلم ہے۔ اگرچہ صفات ذاتی و عرضی ایسی چیز نہیں ہیں کہ اُن کا تعین آسانی اور یقین کے ساتھ کیا جا سکے لیکن اُن کی توضیح میں ہر شخص کو اپنی واقفیت یا جولانی طبع دکھانے کا اچھا موقع ملتا ہے اور اس لیئے طریقہ تشریحی میں تخیلات کو رنگ آمیزی کا اتنا موقع نہیں ملتا جتنا کہ تشبیہی میں اسی وجہ سے طریقہ تشبیہی بہ نسبت تشریحی کے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اگر ہم اس اعتبار سے اُردو شاعری کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اُس کا نشو و نما اُس زمانے میں ہوا جبکہ فارسی شاعری ابتدائے سادگی سے ہٹکر گرداب تصنع میں مبتلا ہو گئی تھی اس لیئے جو اُمور کہ کئی صدیوں کی تلاش اور طبع آزمائیوں کی بدولت فارسی شعرا میں حسن کے صفات ذاتی و عرضی قرار پا چکے تھے وہی بجنسہ اُردو شاعری میں بھی آ گئے اور اسی وجہ سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مطابقت فطرت کے بجائے زیادہ تر مبالغہ سے بھرے ہوئے ہیں گویا کہ اُردو شعرا کو خواہ نخواہ توصیف حسن کے لحاظ سے طریقہ خارجی اور اُسکی بھی ادنیٰ قسم تشریحی کا پابند ہونا پڑا۔ اسی وجہ سے جب اُردو شعرا محبوب کا سراپا بیان کرتے ہیں تو وہ ماہران فن تشریح کی طرح ایک ایک عضو پر نظر ڈالتے ہیں اور چونکہ صفات حسن اور الفاظ بھی وہی استعمال کیئے جاتے ہیں جو آخری طبقہ کے شعرائے فارسی سے میراث میں ملے ہیں اس لیئے مبالغہ کی وجہ سے ہر عضو کا ایسا عجیب تصور ذہن میں قائم ہوتا ہے کہ اگر اُن سب کو جوڑ کر ایک پیکر بنا لیا جائے تو وہ بجائے حسن و جمال میں ممتاز ہونے کے بوالعجبی میں شہرۂ آفاق ہوگی۔ بات یہ ہے کہ شعرائے فارسی کو

اُس کے بازو دو نرم چکدار ٹہنیون کے مشابہ ہین اور جوشس شباب غنچہ ناشگفتہ کی لطافت کے ساتھ اُس کے عضو عضو سے نمایان ہے۔

ذرا تھوڑی دیر کے لئے آنکھین بندکر کے دیکھو کہ ایک ایک لفظ نے تخیل کے لئے کتنا وسیع میدان کھول دیا ہے اور میدان بھی وہ نہایت پرلطف نظارون سے بھرا ہوا ہے۔ یہ تو اُس وقت کی تصویر ہے جبکہ وہ جنت نظر تھی اب دیکھو کہ نقاب دوری نے کیا سحر آفرینی کی ہے۔ دشمنت اپنے محرم راز ودوشک سے کچھ باتین عالم تنہائی مین کر رہا ہے چلو ہم بھی سُنین۔

ودوشک ”حقیقت مین سکنتلا بہت ہی حسین ہوگی کہ آپ جیسے شخص کا دل آگیا“

دشمنت ”سچ تو ہی مگر طول کلام سے فائدہ“

معلوم نہین کہ خالق نے اُس کو بنانے سے پہلے ہی پردۂ عالم کی تمام رعنائیون کو جمع کر کے نقشہ کھینچ لیا تھا یا صرف دماغ ہی مین حسن کامل کا تصور قائم کیا تھا۔ جب مین اُس شکل وشمائل مین حسن نسوان کے اعلےٰ سے اعلےٰ نمونون سے بھی مختلف پاتا ہون تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خالق نے اُس کو پیدا کر کے صرف اپنی قدرت کاملہ کا ثبوت دیا ہے۔

ودوشک ”اگر یہی بات ہی تو پھر سب حسینون کی مٹی خراب ہوئی۔

دشمنت ”کیا کہون۔

اُسکا بے عیب حسن ایک غنچہ ہے ناشگفتہ یا ایک نرم شاخ ہے جو ابھی خراش ناخن سے آشنا نہین ہوئی یا ایک گوہر ناسُفتہ ہے یا تازہ تازہ شہد ہے جو ابھی لذت وہ کام و زبان نہین ہوا یا بڑے سے بڑے کام کا واجبی صلہ ہے نہین معلوم کس کی قسمت مین اُس سے سیراب ہونا لکھا ہے۔“

سکنتلا تو آدمی زاد بھی مگر اب دیکھو کہ اُسنے اُروسی کی جو آسمانی پری ہے کیسی دلربا تصویر کھینچی ہے۔

کچھ تعجب نہین کہ تمام آسمانی پریان جو نارائن[۱] کا تپاس توڑنے کے لیے

[۱] نارائن ایک نہایت ہی نامور رشی ہے جو اس قدر عبادت وریاضت مین مصروف رہتا تھا کہ مہاراج اندر کو بھی اُس پر رشک آیا اور اُس نے اُس کی تپسیا توڑنے کے لئے چند آسمانی پریونکو

"اُٹھتی جوانی اُس کے اعضا کی متناسب بالیدگی کا باعث ہوئی جس کی وجہ سے وہ حسن مجسم بن گئی جس طرح کہ کسی تصویر کو از سر نو رنگ و روغن چڑھا کر جلا دی گئی ہو۔

"دم رفتار پاؤن کے اُٹھے ہوئے انگوٹھون اور انگلیون کے ناخنون سے سُرخی نکلے پڑنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا گل لالہ جل رہی ہین۔

"راج ہنس نے اُسکو [illegible] چلنا سکھایا تھا تاکہ بعد مین خود بھی اُس سے سبق لے اور اُسکے بچھوؤن کی جھنکار سامعہ نوازی کرے۔

"اُسکی کمر کے تصور کے لیے یہ سمجھو کہ ایک ویدی[1] پر تین نور کی شعاعین جمع ہین اور جس مرکز پر وہ ملتی ہین وہی اُسکی کمر ہے۔ یہ نتیجہ مین نے اس وجہ سے نکالا ہے کہ اُس کے دونون ہاتھ جو ہار سنگھار کے پھولون سے بھی نازک تھے کام دیو کے غلبہ سے جس کے نشان کا معرکہ ماہی نما ہے ہر کی گردن مین لپٹنے کے لیے رسیون کی طرح لٹک رہی تھے۔

"حسن اور خوش قسمتی کی دیبی جب چاند پر پہونچتی ہے تو کنول کے دلربا نظارہ سے محروم ہو جاتی ہے اور جب کنول پر توجہ کرتی ہے تو چاند کے نور سے سیراب نہین ہو سکتی لیکن جب وہ پاربتی کے چہرہ پر پہونچی تو اُس کو ایک ساتھ چاند اور کنول دونون کا نظارہ نصیب ہوا۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کوئی پھول نوخیز کونپل مین چھپا رہ جائے یا موتی کسی شفاف مونگے مین جاگزین ہو تو اُسکے دلربا تبسم سے جس کا حسن لب شیرین کی سُرخی نے اور بھی دوبالا کر دیا تھا تشبیہ دیجا سکتی۔

"اُس کی سُریلی آواز جس سے امرت ٹپکتا تھا کچھ ایسی دلکش تھی کہ اُسکے مقابلے مین خوش گلو کوئل کے (جو اجنبی پرندون مین پرورش پاتی ہے) نغمے بھی دلخراش اور کسی ساز کی بے سُری گت معلوم ہوتے تھے۔

"متلون نظر جو بیقراری مین اُس نیلے کنول سے جو تیز ہواؤن کے تھپیڑے

[1] ویدی اُس مختصر چبوتری کی چوکی یا میز کو کہتے ہین جس پر مندرون مین چڑھاوا دیوتاؤن کے سامنے رکھا جاتا ہے۔

باتون مین ر[illegible] جان پر نشتر لگانے کی قدرت نہین ہو مگر فصاحت و بلاغت نے اُسیے
گلر نخیل سے ملکر بیان مین کچھ ایسا زور پیدا کر دیا ہے کہ وہ بھی اپنی نظیر آپ ہی ہونیکا
دعوی کرسکتا ہے۔ مثلاً مالتی کے جسم کو معبد حسن قرار دینا کیسا انوکھا خیال ہے اور
پھر فتنا پلٹا کھا کر خود اُسکو حسن کے معبد کی دیبی بتانا اُس سے بھی بڑھکر بلند پروازی
ہے۔ آنکھون کی تعریف اس طور پر کرنا کہ نظر کی بیقراری یا تو اُسکو ہرنی سے ملی تھی یا ہرنی
کو اُس سے کس درجہ لطافت خیال پر دلالت کرتا ہو۔ غور کرنیسے معلوم ہوگا کہ کالیداس
نے زیادہ تر حسن کے صفات ذاتی پر بحث کی ہے مگر بھاؤ بھوتی نے اُس کے علاوہ اُس
اثر کو بھی دکھایا ہو جو انسان کے دل پر حسن دلفریب کے نظارہ سے پڑتا ہے کہ وہ بالآخر
دُنیا و ما فیہا سے ہاتھ دھو کر اُسی کا ہو رہتا ہے۔

اب اگر توصیف حسن کے لحاظ سے اُردو شاعری کا مقابلہ سنسکرت شاعری
سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شعرائے سنسکرت کی فکر بلند پروازنے تو اُن کو اس عالم
فانی سے عالم جاودانی مین پہونچا دیا مگر اُردو شاعرون کو تقلید کی زنجیرون نے ایسا
جکڑا کہ وہ باغ فطرت کی سیر سے محروم رہے اور عمر بھر پرکار کیطرح ایک نقطۂ موہوم
کے گرد پھرتے رہے۔ کوئی واسوخت اور مثنوی ایسی نہین ہو جس مین محبوب کا سراپا
شاعر نے اپنے نزدیک نہایت زوردار اور بولتے ہوئے الفاظ مین نہ دکھایا ہو اور
گو اسمین شک نہین کہ بعض صورتون مین باوجود اتنے قیود کے پابند ہونے کے طبع
خداداد کچھ نہ کچھ رنگ دکھا رہی ہو۔ اور دائرہ کی تنگی مضمون آفرینی کی بھی مانع نہین
ہوسکی ہے۔ لیکن کیا کوئی دعویٰ کرسکتا ہو کہ کسی اُردو شاعر نے عالم مثال کی سیر اسی
بے تکلفی سے کی ہو جیسی کہ کالیداس یا بھاؤ بھوتی نے کی یا یہ کہ اُسکے کلام مین حسن نسوانی
کی ایسی خوش رنگ تصویرین موجود ہین جیسی کہ اُن دونون کے ڈراماؤن مین ہین اسکی
ایک وجہ اور ہے ہمارے خیال مین بڑی وجہ تو یہ ہو کہ ہمارے شعرا نے کبھی حسن فطرت
کے نظارے مین اپنی بینائی سے کام نہین لیا بلکہ جب دیکھا وہ رنگین عینک لگا کر
جو آخری طبقے کے شعرائے فارسی کے دست صنعت کا نتیجہ تھی اور اسی لیے پیمبر بہار
کے وہ انھین کے خیالات اور انھین کے الفاظ کا اعادہ کرتے ہین اور دوسری وجہ
یہ ہے کہ وہ جب سراپا بیان کرنے بیٹھے ہین تو تفصیل کے انبار لگا دیتے ہین اور

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خیال نہ کرنا بھی انصاف کا خون کرنا ہے اکثر باتین ایسی ہوتی ہین کہ جو فی نفسہ بری نہین ہوتین مگر انکو بوجہ اجنبی اور غیر مانوس ہونے کے بری معلوم ہوتی ہین۔

جدید تہذیب خواہ کچھ ہی کہے مگر اسلام کا یہ ایک نہایت مفید مسئلہ ہے کہ عورتین پردے مین رہین گو کہ ہمارے پردے کو عورتون کے حقوق کا غاصب نہین بنایا جیسا کہ یورپین آزادی کا مدعی ہے ابتداے اسلام سے اس مسئلہ پر کم و بیش سختی کے ساتھ عملدرآمد ہو رہا ہے ہان بعض اوقات اسکی پابندی ضروری نہ خیال کی گئی ہو تو دوسری بات ہے۔ ملک مغرب مین خلفاء مرابطین کا جو خاندان گذرا ہے اوسمین یہ ایک عجیب دستور تھا کہ مرد تو چہرہ پر لثام ڈالتے تھے مگر عورتین بے تکلف بغیر نقاب باہر پھرتی اور گھوڑون پر سوار ہو کر نکلتی تھین[1]۔ بہرحال اوائل اسلام مین پردہ رائج تو تھا مگر عورتون کے نقاب ڈالکر باہر نکلنے اور بازار وغیرہ کو جانے مین کوئی مضائقہ نہین سمجھا جاتا تھا مگر جب مسلمانون کے اقبال کا ستارہ چمکا تہذیب و شائستگی جلوہ افروز ہوئی نئے نئے ملکون پر قبضہ ہوا اجنبی قومین جنکا طرز خیال اور طرز معاشرت بالکل جدا تھا ماتحت ہوئین۔ تو جو خیالات کہ فاتح کے دلمین مفتوح کی طرف سے پیدا ہوتے ہین وہ اس فتحمند قوم کے دل مین بھی پیدا ہوگئے اور اور اوسکو اپنے ننگ و ناموس کا اسقدر خیال ہوگیا کہ عام طور پر کسی عورت کا نام لینا بھی معیوب ہوگیا۔ جسوقت تک ہمارے شاعر عرب کی ہوا کھاتے اور خانہ بدوش زندگی سے مانوس رہے اوسوقت تک زمانہ جاہلیت کے طرز خیال کے مقلد رہے اور اسی کی پیروی سے معشوق کے قبیلے کی اجڑی خیمہ گاہون اونٹون کی تیز رفتاری اور محمل اپنی بیکسی و لاچاری دوستون کی تسلی و تشفی اور معشوق کے حسن سیرت و صورت کا ذکر کرتے رہے۔ مگر جب انکو شہرون مین رہنے کا اتفاق ہوا غیر قومون غیر مذہب والون سے سروکار پڑا عام رائے کی یہ کیفیت ہوگئی کہ کسی کی بیٹی یا بہن کے نام لینے کی سزا قتل سے کم نہ ٹھہری تو ان کو سوائے اسکے کچھ چارہ نہ تھا کہ معشوق کو محض فرضی قرار دین کیونکہ شاعری کوئی ایسا دریا نہ تھی جو رک جائے نہ ایسی آگ تھی جو بجھانے سے بجھ سکے۔ جسوقت تک جذبات انسان کے پرجوش شعلے مشتعل ہین اسوقت تک شاعری بھی مفقود نہین ہوسکتی اسلئے جب ایک راہ بند ہوگئی تو دوسری راہ جو اتنی خطرناک نہ تھی اختیار کی گئی۔ یہ ممکن تھا کہ باوجود اتنی قیود کے

[1] تاریخ کامل ابن اثیر الجزری۔

مگر اُنکی بدنامی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ پبلک راے ایسے میلان کو کیسی نظر سے دیکھتی تھی مگر اس کے ساتھ ہی افلاطون اور فیثاغورث کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ بجاے اس کہ عشق کو ایک حسّی چیز سمجھتے ایک روحانی چیز سمجھنے لگے سچ تو یہ ہے کہ افلاطون کی الہیات نے تصوف کو اسقدر عام کر دیا کہ وہ ہمارے تمام لٹریچر خصوصاً شاعری مین جسکو بالخصوص جذبات انسانی سے تعلق ہے پھیل گیا۔ تصوف ہی کی برکت نے ہمارے خیالات کو اسقدر بدلدیا کہ شاعری کا تصور ہی کچھ سے کچھ ہو گیا۔ ہمارے خیالات اسقدر بلند ہوے کہ ایک ایسے طبقہ مین پہونچے کہ جہان محسوسات کو داخل نہ تھا اور روحانی حسن کی رنگینی اور معشوق ازلی کے جلوہ کے سوا اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی عشق حسی لذتون کا نام نہ رہا بلکہ اُن جذبات کا نام ہو گیا جو روح کے روح سے ملنے مین پیدا ہوتے ہین معشوق کے ظاہری حسن کے مطالعہ مین اوس اعلے حسن کو دیکھنے لگے جو لازوال ہے ہر چیز مین اُسی ایک ذات کا جلوہ دکھائی دیا جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا نظر آنے لگا۔ حسن ظاہری کی لطافت کو خالق کی صنعت کا نمونہ سمجھنے لگے عشق حقیقی کی لذتون کے سامنے ساری حسی لذتون کو بھول گئے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جن لوگون کی آل کار پر نظر ہوتی ہے وہ یہ نہین دیکھا کرتے کہ کیا بات کرنی چاہیے اور کیا نہ کرنی چاہیے۔ جن لوگون کی خودبینی صاف ہوتی ہے وہ یہ نہین سوچا کرتے کہ کب خلقت برا اور کب اچھا کہیگی۔ جو لوگ ظاہر پرستی اور ریاکاری سے بچتے ہین وہ کسی کی لعن و نفرین کی پرواہ نہین کرتے اپنے کام سے کام رکھتے ہین۔ تصوف کا اصل الاصول یہ ہے کہ عشق مجازی عشق حقیقی کی سیڑھی ہے کیونکہ یہ اعلے مرتبہ بغیر اسکے کہ دل دنیوی لذتون سے مستغنی ہو جائے حسّی تکلیفون سے تکلیف نہ ہو بلکہ معشوق کی خواہشون کو اپنی خواہشون پر مقدم سمجھے مختصر یہ ہے کہ جبتک روح جسم پر غالب نہ آجائے حاصل نہین ہو سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ باتین جب تک کہ انسان عشق کے کوچہ مین قدم نہ رکھے جدائی کے صدمہ کو گوارا کرے معشوق مجازی کے خیالات کو ایک مرکز پر مجتمع کرنا نہ سیکھے لعن و نفرین خلایق کا ہدف بنکر دنیا سے ہاتھ نہ اوٹھاے حاصل نہین ہو سکتین بلکہ یہ تو یہ کہ ظاہری حسن کی بے ثباتی معشوق مجازی کی بیوفائی اور معمولی عشق کی ناتمامی

سلہ ابن خلکان ترجمہ یحیی بن اکثم۔

لذتون سے واقف ہو کر ہی انسان کا دل پورے طور پر معشوق حقیقی کے حسن لازوال
کی طرف رجوع ہوتا اور اوس حقیقی لذت کے پوشیدہ خزانون سے واقف ہونے کی
کوشش کرتا ہے۔ ہماری راے مین اگر صوفیہ کرام نے مردون سے عشق کرنے کو
جو ایک اعلی درجہ کی دوستی کا نام ہے روا سمجھا تو کوئی برائی نہین کی کیونکہ وہ تو ایک
دوسرے ہی عالم اور دوسری ہی وطن مین تھے۔ اونھون نے عشق مجازی کو کبھی
مقصود بالذات قرار نہین دیا بلکہ ہمیشہ عشق حقیقی کا ذریعہ سمجھا۔ غور سے دیکھو تو یہ اون کی
منزل مقصود کی ایک نہایت سیدھی راہ تھی۔ کیونکہ عورتون کے عشق مین غلبہ شیطانی
سے جس سے کوئی انسان جب تک کہ جامۂ انسانیت اس کے بدن پر ہے بری
نہین ہو سکتا گمراہ ہو جانے کا بہت کچھ اندیشہ تھا مگر اسمین ایک پاک نظر عاشق کے لیے
کوئی ایسا خطرہ نہ تھا۔ ان کا عشق عام یونانیون[1] اور پندرہ صدی کے اطالیہ والون[2]
اور شاہ فریڈرک اعظم[3] اور انگلستان اور فرانس کے پبلک سکولون کا سا نہ تھا بلکہ وہ
ایک دوسری ہی چیز تھا یہ ممکن ہے کہ بعض کی فلاطونیت مین خباثت کا بھی خمیر ہو مگر مستثنی
تو کلیہ کا بڑا ثبوت ہے۔ اسی وجہ سے شاعری مین اس نئے خیال کا نشو و نما پایا تصوف
کی ترقی سے دوش بدوش ہے ہجری کی چوتھی صدی سے تصوف کا زور ہوا اور اسی
زمانہ سے اس خیال کا اظہار زور شور کے ساتھ شروع ہوا مگر ایسا کون شخص ہے جو
اس رنگ کی تہ کو نہین پہونچا۔ اہل یورپ بے شک اعتراض کر سکتے ہین اور مجبور
بھی ہین کیونکہ اون کو باوجود دعوے کے روحانیت سے بالکل لگاؤ نہین ہے۔
علاوہ اسکے یورپ کے مغالطے مین پڑنے کی ایک اور بھی وجہ ہے کہ عربی اور اصلاح [?]
اردو اور فارسی مین جن الفاظ سے کہ عشق کے جذبات ظاہر کرتے ہین قریب قریب
انھین الفاظ کو دوستی کے جذبات کے اظہار کے لیے بھی استعمال کرتے ہین کسی
پرانی انشا کو اٹھا کر دیکھو کہ کن الفاظ مین ایک دوست دوسرے دوست سے درد
جدائی کو ظاہر کرتا ہے پرانے زمانہ پر نظر ڈالو کہ دو کبرسن بڈھے جو قہوہ مین پاؤن لٹکائے
بیٹھے ہین کن الفاظ مین ایک دوسرے کے ساتھ اظہار محبت کرتے ہین۔ ودیسے

[1] تاریخ یونان ٹالمی تھیس [2] سوانح عمری مینونیو ڈسلینی [3] کارلائل سوانح عمری فریڈرک اعظم
[4] ایلی منٹس آف نیچرل اینڈ فزیکل ریلیجن۔

[illegible]

عورت کو مرد ہی سے ساتھ عشق تھا - واسوختون کی بھی یہی کیفیت ہے ضمیرین تو برابر مذکر کی آرہی ہین مگر سراپا دیکھو تو عورت کا - ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ عشق عبادی کی وہ شائین جو اُن کے دل پر اسقدر غالب آگئین تھین کہ ہر وقت ہر موقع پر انکی زبان سے بیساختہ نکلجاتی تھین وہ بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہین - لیلی مجنون - فرہاد و شیرین - وامق وعذرا کا نام تو ہر شاعر کے کلام مین موجود ہے مگر بینے لادجتی اور پانی جیسے لوگون کا نام آج تک کسی شعر مین نہین دیکھا - علاوہ اس کے معشوق کو جو تشبیہ دیتے ہین تو ہمیشہ لیلی یا شیرین سے دیتے ہین اسلیے عقل سلیم کیونکر باور کر سکتی ہے کہ ہمارے شاعر اسقدر کج فہم ہین کہ مرد کو عورت سے تشبیہ دین - مین دریافت کرتا ہون کہ لیلی یا شیرین یا لیلی ادا یا شیرین ادا مرد کو کہا جائے گا یا عورت کو - اسمین شک نہین کہ محض ضمیرون ہی کی تبدیلی نہین ہوئی بلکہ دوسرے فرقہ کی بھی بعض ادائین آگئین مگر اسکی وجہ ظاہر ہے - تسلسل خیالات کے مضبوط قاعدہ کے بموجب اکثر اور بعض اوقات قدرت کے طریقہ کے غلط تصور سے استعارہ کو اسیقدر طول دیکر سبزہ خط وغیرہ بھی محیط شاعری مین داخل ہوگیا -

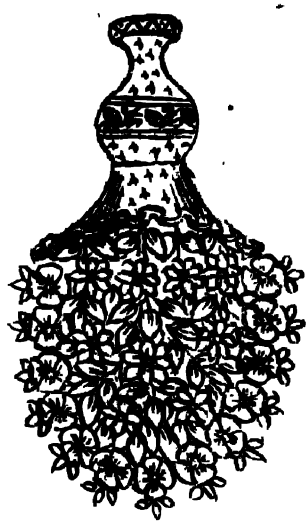
ملچھ۔ بھرشٹ۔ یون

عام لوگون کے خیال مین ہندو مسلمانون کے اتحاد کے مانع جہان اور امور ہین وہان ایک یہ بھی ہو کہ وہ مسلمانون کو ملچھ اور بھرشٹ سمجھتے اور کہتے ہین۔ اگرچہ یہ الفاظ ہر کس وناکس کی زبان پر چڑھے ہوئے ہین لیکن اگر اُن کے معنی دریافت کیئے جائین تو شاید اچھے اچھے بھی اس سے زیادہ نہ بتا سکین کہ نجس وناپاک کو کہتے ہین۔ لیکن ان الفاظ کے معنی خواہ عام لوگون کے اذہان مین کچھ بھی ہون در اصل نجس وناپاک کے نہین ہین۔

لفظ ملچھ سنسکرت مین دراصل ملیچھ ہو اور اسکی تاریخ نہایت دلچسپ ہے مہابھارت مین درج ہو اور نیز دیوی بھاگوت مین حوالہ ہے کہ وششٹ ایک بہت بڑے مُنی (اہل اللہ) تھے جو ترک دنیا کرکے جنگل مین یاد الٰہی مین معروف رہا کرتے تھے اُن کے پاس ایک گائے تھی جس کا نام کام دھینو تھا اور اُسمین یہ صفت تھی کہ شجر طوبی کی طرح جس چیز کی خواہش ہو موجود کردیتی تھی۔ اتفاق سے ایک دفعہ ایک عظیم الشان راجہ وشوامتر نامی کا گزر اُس جنگل سے ہوا اُسنے مُنی کے مقابلے مین اپنی قوت واقتدار کے اظہار کے لئے اُس سے درخواست کی کہ وہ اسکی دعوت لے اور یہ خیال کیا کہ ایسی ایسی چیزون کی فرمائش کی جاے کہ خواہ مخواہ مُنی کو عاجز ہوکر خفیف ہونا پڑے۔ مُنی نے بخوشی قبول کیا اور کام دھینو کے ذریعے سے اُسکی عجیب سے عجیب فرمائشون کو بھی بآسانی پورا کیا۔ جب وشوامتر نے یہ حالت دیکھی تو اُسکو نہایت تعجب ہوا اور بہت کچھ چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سب کارگزاری وششٹ کی گائے کی ہے اور چونکہ اُس کو معلوم تھا کہ منی لوگون کا قاعدہ ہے کہ کوئی چیز مانگی جائے تو اُس کے دینے سے کبھی انکار نہین کرتے۔

اُس نے وشسشٹ سے اُس گائے کا بھی سوال کیا۔ وشسشٹ شش و پنج مین تھے بت پہلے
عذر کر ہی کیا سکتے تھے کیون کہ انکار تو اُنکے مسلک مین جائز ہی نہ تھا اسلیے اُنھون نے
راجہ کو جواب دیا کہ میری طرف سے اجازت ہے مگر گائے کا پکڑنا تمھارا کام ہے۔
میرے بس کا نہین ہے۔ وشوامتر اس شرط کو سُن کر بہت ہنسا اور اُس نے
اپنی فوج کو حکم دیا کہ فوراً کام دھینو کو گرفتار کرین۔ مگر وہ گائے کا ہیکو پرکالۂ
آتش تھی۔ ہر شخص پکڑنے کی کوشش کرتا تھا مگر وہ کسی کے قابو مین نہ آتی تھی۔
جہان کوئی قریب پہونچا اور وہ بجلی کیطرح نکل گئی کچھ دیر تک تو یہی لطف رہا
لیکن جب وشوامتر کی فوج نے ہر طرف سے یورش کی تو گائے نے غصے مین آکر
پھریری لیکر جسم کو جھٹکا اور اُس کے ساتھ ہی اُس کے رُوئین رُوئین سے
جری اور سورما لوگ سطح زمین پر گرے اور اُنھون نے دیکھتے ہی دیکھتے مغرور
وشوامتر اور اُس کی سرکش فوج کو نیچا دکھایا۔ اسی قوم کا نام ملیچھ ہے اور
چونکہ وہ نہ زبان سنسکرت بولتے تھے اور نہ ہندوؤن کے رسم و رواج کے
پابند تھے اس لیئے دوسری اس قسم کی قومون کو بھی ملیچھ کہنے لگے۔ پس ہندوؤن
نے جو مسلمانون کو ملیچھ کا خطاب دیا ہی وہ اسی مناسبت سے ہے کہ وہ ایک
بہادر قوم ہین اور نہ زبان سنسکرت بولتے ہین اور نہ ہندوؤن کے رسم و رواج
کے پابند ہین اور اس لحاظ سے یہ خطاب کچھ نامناسب بھی نہین ہے۔ اسی طرح
کا لفظ یَوَن بھی ہے۔ یہ لفظ غالباً یونان سے نکلا ہے۔ اسکندر اعظم نے
جب ہندوستان پر حملہ کیا تو سرحد ہندوستان پر اُس کے جنرل سلیوکس
کے ایک عظیم الشان یونانی سلطنت بنام بیکٹریا یا بختیاریا قائم کرنے سے اہل
ہند کے تعلقات یونانیون کے ساتھ قائم ہوئے اور اکثر ہندو راجہ اس قوم کے
خادم رکھا کرتے تھے خاصکر کالیداس کے ڈرامائون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا
ہے سلاح برداری کی خدمت اسی قوم کی عورتون کے سپرد ہوتی تھی۔ بعد مین اس
لفظ کا اطلاق ترکون اور عربون پر بھی ہونے لگا۔ چنانچہ آخیر زمانے مین مسلمانون
کو بھی اسی نام سے مخاطب کرتے تھے۔ پس دراصل ملیچھ یا یَوَن کے الفاظ کے
ائی ایسے معنی نہین ہین کہ وہ موجب توہین سمجھے جا سکین البتہ قومی رسم و رواج

سکے اختلافات اور ما حتداد زمانہ کے لحاظ سے آئین ایک ذم کا پہلو بھی پیدا
ہو گیا ہے۔ ہندوئین جو پابندیان کہانے پینے اور نہانے دھونے کے
متعلق ہین وہ اظہر من الشمس ہین برخلاف اس کے کھانے کے متعلق مسلمان
بالکل آزاد ہین کہ نہ اُن کے یہان نہانے کی قید ہے اور نہ یہ کہ کسی خاص شخص
کے ہاتھ کا پکا ہوا کھایا جائے۔ ہندوؤن کو مسلمانون کی آزادی خاصکر ابتدا
مین نہایت عجیب معلوم ہوئی ہوگی اور اسی وجہ سے اُن کو مسلمانون کی نسبت
یہ غلط فہمی ہوئی کہ وہ طہارت کا خیال نہین کرتے اور یہی سبب ہے کہ ملیچھ کے
معنے مین غیر مطہر کا پہلو نکل آیا۔ اس مین شک نہین کہ ہندو قدیم سے ایک
اعلیٰ درجے کی تہذیب یافتہ قوم ہین اور تمام اقوام شایستہ کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے
مقابلہ مین اقوام غیر کو خواہ وہ شائستگی کے کتنے ہی مدارج طے کر چکی ہون ناشائستہ
سمجھا کرتی ہین۔ اور در اصل یہ خیال قومی عصبیت اور رفتار ترقی کی مستعدی
سے قائم رکھنے کے لیئے ضروری بھی ہے۔ قدیم یونانیون کو دیکھو کہ جب آفتاب تمدن
نے سرزمین یونان کو منور کیا تو گو اُنکی معاصر اقوام ایرانی و مصری بعض اعتبارات
سے اُن سے کہین تہذیب و شائستگی مین بڑھے ہوئے تھین مگر وہ اُن کو شیوا
دوسرے اقوام غیر کے باربرس یعنی وحشی کہا کرتے تھے۔ جب یونانیون کے
بعد حلقۂ تمدن سے رومیون کے جسم کو زینت ہوئی تو گو یونانی باوجود فخر و ناز
مین مبتلا ہونے کے برابر اُن کو باربرس کہے گئے لیکن رومیون نے بھی یہ
خطاب سوائے یونانیون کے باقی تمام قومون کو دیا۔ اس کے بعد جب انقلاب
روزگار نے دنیوی حکومت کا تاج رومیون کے سر سے اُتار کر عربون کے
سر پر رکھا اور آفتاب تہذیب بجائے مغرب کے مشرق مین طلوع ہونے لگا تو
اُنھون نے اہل ایران کو جو اہل عرب سے کہین شائستگی مین بڑھے ہوئے تھے
عجم کا خطاب دیا اور گو ملیچھ کی طرح ابتدا مین اس کے معنے کچھ برے نہ تھے مگر
پھر عرب و عجم کے رسم و رواج کے اختلاف اور باہمی رقابت کی وجہ سے جو
ذم کا پہلو اس کے معنی مین پیدا ہو گیا ہے وہ محتاج بیان نہین ہے۔ اسکے بعد
جب اہل یورپ کی ترقی کا دور آیا تو وہ پایۂ تہذیب سے ایسے منسوب ہوئے



[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تو دل مین کچھ ایسی پھنسی ہو کہ نکلنے کا نام نہین لیتی۔ ایسی حالت مین دفعتاً یہ
ذہن مین آتا ہو اور تمام مرحلے طے ہو جاتے ہین۔ اسی طرح اگر کسی شے کی تعریف
مقصود ہو اور صفات ذاتی و عرضی کی بھول بھلیون سے آشنائی نہ ہوا ور نہ دوسرے
طور پر ذہن رسائی کرتا ہو تو دیکھو اس لفظ کی بدولت تعریف مین کیسی جامعیت
آجاتی اور جہالت کیسی جلدی سے پردۂ علم مین روپوش ہو جاتی ہے۔ حافظہ کی
خرابی کے لیئے تو یہ لفظ اکسیر کا کام کرتا ہو باتین تو چند بیان کرنی ہین مگر حافظہ ہے کہ
ضدی بچہ کی طرح بگڑ بیٹھا ہو۔ لاکھ خوشامد منت سماجت کرتے ہین۔ بلکہ تیور بدل بدل کر
ڈرلتے دھمکاتے بھی ہین مگر کسی طرح راہ پر نہین آتا۔ دفعتاً اس عیب پوش لفظ پر نظر
پڑتی ہو اور تمام مشکلین حل ہو جاتی ہین۔ سچ یہ ہو کہ جس طرح یہ ایک لفظ درحقیقت
چند الفاظ کا مجموعہ ہو اور اُس کے اعداد بھی ہزار سے متجاوز ہین اُسی طرح اسکا
اطلاق بھی ہزارون ہی اشیا پر ہو سکتا ہو بلکہ اعداد تو خواہ کتنے ہی بڑے ہون
پھر بھی اُن کی ایک حد ہوتی ہے مگر اسکے معنی کی وسعت لاانتہا ہی ہے۔ خدا بھلا
کرے حیدرآباد کے قدیم مقننون کا کہ اُن کے احکام و گشتیات مین اس ایک
لفظ کی رنگ آمیزی سے عجیب جامعیت آجاتی تھی۔ مختلف جرائم کی نوعیت
اور امتیاز سے جاسے واقفیت نہ ہو تو ایک مشہور جرائم کا نام لکھنے کے بعد
وغیرہ [illegible] اور تمام [illegible] جائز و ناجائز د[illegible] بڑے بڑے فقہا اور
شارحین [illegible] اری کے مسئلے جن مین مدتون و اصحاب قانون نے غوطے
لگائے۔ [illegible] ہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ اس ایک لفظ کی بدولت حل ہو جاتے
[illegible] برا ہو نئی تہذیب کا کہ اُس نے یہ سہارا بھی باقی نہ رکھا۔ اب تو منطقی طرز
خیال نے ہر ہر لفظ کی تعریف لازمی کر دی ہے اور تفصیل کا تو یہان تک التزام
ہے کہ جہان رُکے اور مطلب فوت ہوا اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ قانونی دُنیا کی حد تک
وغیرہ کا دور ختم ہوا۔ اور اب تو یہ حالت ہو گئی ہو کہ جہان مجالس وضع قوانین کا
اجلاس ہوتا ہو وہان اس غریب کو گھسنے تک نہین دیتے تلک الایام نداولہا
بین الناس۔ ایک زمانے مین جبکہ حیدرآباد مین نظم جمعیت (فوج بے قاعدہ) کا
دور دورہ تھا۔ اُس کے لاانتہا سلسلون کی پیچیدگیون کے سلجھانے مین غریب

ان بڑے متصدیون کو اس لفظ سے بڑی مدد ملی تھی۔ جو ہدارون کی تفصیل بیت
کرنی ہے اور پھر اس مین بیسیون علاقون کی تصریح کی ضرورت ہے اگر ہر علاقے
کی تفصیل بیان کیجائے تو ایک دن کیا کئی دن لگ جائین۔ مگر ختم نہو۔ اس لیئے
سہل نکالا یہ سمجھ مین آیا کہ "محمد سراج وغیرہ دہ نفر آوردہ احمد بخش مردہہ" لکھدیا۔
اور اسی طریقے سے سوارون کے بے گنتی علاقون سے بھی گلو خلاصی حاصل کی۔
بیچارے متصدیون نے اپنی محنت بچائی مگر میان سراج کی جدت طرازی کو آئین
پھر اور ہی تماشا نظر آیا۔ یہ تو نہ سمجھے کہ اس دم کے لگنے سے لوگون کو اُن کی ذات
بابرکات مین انسان کے علاوہ اور کس کس چیز کا جلوہ نظر آئے گا۔ مگر حوصلہ مندی
عجب چیز ہے۔ جھٹ عہدہ وغیرگی کا دعوی کر بیٹھے اور گو تنخواہ کا اضافہ نہ سہی مگر
برائے نام افسری تو ملگئی اور روزانہ نوکری کے جھگڑون سے بھی بچے۔ اور اُدھر
صاحب آوردہ بھی سمجھے کہ مفت مین ایک عہدہ دار مل گیا۔ برا کیا ہے۔ ہاتھ ہی
بٹے گا۔ غرضکہ آن کی آن مین ایک نیا عہدہ قائم ہوگیا اور وہ بھی ایسی خوبصورتی
سے کہ کسی کے خیال مین بھی نہ گذرا ہوگا۔ اب چاہے لوگ آتش کے ہمزبان
ہوکر کہتے پھرین۔

دہن پر ہین اُنکے گمان کیسے کیسے

مگر یار لوگون نے تو اپنا کام نکال لیا۔ حلقہ بگوشان نظم جمعیت جو اس معزز
لقب کو اپنے نام کی زیب و زینت کا باعث سمجھتے ہین۔ اُن پر لازم ہے کہ اُس
نفس کی روح پر ہمیشہ فاتحہ پڑھتے رہین۔ جس کی طباعی نے سب سے پہلے اس
باغ عدن کا دروازہ کھولا کیونکہ کسی انگریز فلاسفر کا مقولہ ہے کہ جس شخص نے
سب سے پہلے کیل سی بے حقیقت چیز بنائی وہ بھی دُنیا کا بہت بڑا محسن تھا۔
یہ تو حضرت وغیرہ کی معراج تھی۔ اب پستی دیکھیئے کہ دہلی اور لکھنؤ کے
بازاری لوگون نے نہ معنی ہی قائم رکھے اور نہ صورت ہی۔ بلکہ نہایت بیرحمی
کے ساتھ شریک اڑا دیا اور رگڑے کہنے۔ ایرا غیرا پنچ کلیان۔ مگر ہے یہ کہ
ایسے پنچ کلیانون سے سوائے اسکے امید ہی کیا ہوسکتی تھی۔
دل لگی تو ہو چکی اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس لفظ مین ایسی کیا چیز ہے ادھر



[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوتی ہے تو مین اکثر اِس قسم کی اُدھیڑبُن مین اپنا وقت صرف کرتا ہون۔ اور مین نہین کہہ سکتا کہ جو وقت اِس طور پر صرف ہوتا ہے وہ کس قدر لطف سے گزرتا ہے۔ کیونکہ خاصکر ہماری اُردو زبان جو بطورِ خود کوئی زبان نہین بلکہ بہت سی زبانون کا مجموعہ ہے اِس قسم کی تحقیق کے لئے اور بھی موزون اور نتیجہ خیز فوائد سے مملو ہے۔ اُردو مین دو عجیب سے لفظ ہین جو ہر کس و ناکس کی زبان پر چڑھے ہوئے ہین اور گو مین نے اکثر لوگون سے دریافت کیا کہ وہ کس زبان سے آئے ہین۔ اور اصل مین کیا تھے لیکن آج تک کسی نے تشفی بخش جواب نہین دیا۔ وہ الفاظ "ولندیزی" اور "سوند حلوا" ہین۔ پہلا لفظ تو اپنے معنی کی طرح نہایت ہی عجیب اور ناگڑھ معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرے لفظ کی ترکیب بھی کچھ کم حیرت انگیز نہین معلوم ہوتی۔ یہانتک کہ بعض نے دہلی و لکھنؤ نے اسکو مہمل سمجھکر بازاری زبان کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اور اپنے لئے ایک نیا لفظ "حلوا سوہن" نکال لیا ہے۔ لفظ "ولندیزی" ایک عجیب لفظ ہے اور اِس مین دراصل ایک پورے زمانے کی تاریخ مضمر ہے۔ یہ لفظ انگریزی لفظ ہالنڈ سے نکلا ہے اور "ہالنڈ" ملک ہالینڈ کے رہنے والون کو جن کا اصلی لقب ڈچ ہے کہتے ہین۔ جو لوگ کہ اہل یورپ کے ہندوستان مین آنے اور حکمرانی حاصل کرنے کی تاریخ سے واقف ہین وہ بخوبی جانتے ہین کہ پرتگیزون کی حکومت کی انتزاع کے جہان اور باعث ہوئے وہان ایک یہ بھی تھا کہ ہالنڈ کے باہمت باشندون نے بھی مشرق کی تجارت مین حصہ بٹانے کی طرف توجہ کی اور انھون نے بھی ہندوستان و مجمع الجزائر ہند مین اپنے کارخانے اور سلطنت قائم کی چنانچہ جزائر "جاوا" وغیرہ ابھی تک انھین کے تحت مین ہین۔ ہندوستان مین پرتگیزون کی حکومت کے جانے کے بعد ایک عرصے تک ڈچ لوگون کو اچھا فروغ ہوا۔ مگر پھر انگریزون اور فرانسیسیون کی اولوالعزمیون نے اُن کی تجارتی ترقی اور بیرونی حکومت کا چراغ گل کر دیا چنانچہ اخیر زمانے مین قصبۂ "سری رام پور" کو جہان کا کاغذ اب بھی مشہور ہے خود انھون نے انگریزون کے حوالے کر دیا۔ ڈچ لوگ بقول انگریزون کے بالطبع بھدّے اور اوضاع و اطوار مین انگڑھ ہوتے ہین۔ اور تجارتی و حکومتی رقابت نے تو اِس خیال مین اور بھی رنگ آمیزی کی۔ بس دراصل لفظ "ولندیزی" اُس زمانے کی

تاریخ کا خلاصہ ہے جب کہ ہندوستان مختلف اقوام یورپ کی اُلوالعزمیون کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اُن کی باہمی رقابتین ایک دوسرے کی تضحیک و تذلیل کی شکل مین نمودار ہوتی تھین۔ اس مین ایک پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ اُس زمانے مین انگریزون کو بہ نسبت حکومت کے تجارت سے زیادہ تعلق تھا اور اہل ہند نے بھی تاج برطانیہ کی ماتحتی اختیار نہین کی تھی اور اسی وجہ سے وہ زور و قوت کے اظہار کے بجائے تالیف قلوب سے زیادہ کام لیتے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ایک یورپین قوم کی نسبت اس قسم کے خیالات عوام مین پھیلانے کی کیا ضرورت اور کیا نتیجہ تھا۔ گویا کہ یہ لفظ تاریخ ہندوستان کا ایک بوزا ورق ہے۔

لفظ "حلوا سوہن" اگرچہ ظاہر مین ہندو مسلمانون کے اتحاد کی ایک نمایان یادگار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اپنی خاص ترکیب تہ جو بقول انشاء اللہ خان "نہ عربی ہے نہ فارسی نہ ترکی" اور اُس لطیف مٹھائی کے لحاظ سے جس پر وہ دلالت کرتا ہے کچھ ٹھیک نہین معلوم ہوتا۔ "حلوا سوہن" کا جزو اعظم دودھ اور نشاستہ ہے۔ اور جہان تک غور کیا جاتا ہے نشاستہ کسی اور ہندی مٹھائی کا جزو نہین ہے اور اُس کے پکانے کی ترکیب بھی بالکل ولائتی ہے۔ ہندی کی بو باس بھی اُس مین نہین ہے۔ اُس کے علاوہ اگر لفظ کی ظاہری ہیئت پر غور کیا جائے تو بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کیونکہ اِسکا جزو اعظم حلوا ہے اور وہ عربی کا لفظ ہے۔ پس اگر یہ کوئی ہندی مٹھائی ہوتی تو نام کا جزو اعظم عربی لفظ نہ ہوتا جبکہ یہ مسلم ہوگیا کہ یہ مٹھائی کوئی ہندی چیز نہین ہے تو ظاہر ہے کہ اِس مین جو "سوہن" کا لفظ ملا دیا گیا ہے وہ بالکل بے موقع ہے۔ بلکہ وہ اُسکی اصلیت پر پردہ ڈالتا ہے۔ اب ہم کو خواہ مخواہ بازاری لفظ "سوند حلوا" کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جس کو خواص مہمل سمجھتے ہین۔ بادی النظر مین سوند لفظ سوندھا کا مخفف سمجھا جاسکتا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اِس قسم کا حلوہ سوندھا ہوتا ہے اِس لیئے "سوند حلوا" کہا جاتا ہے۔ لیکن ایک تو یہ نام مختلف قسم کے حلوون کے لیئے استعمال ہوتا ہے اور وہ سب سوندھے نہین ہوتے۔ دوسرے اِس لفظ کی ترکیب پر بھی وہی انشاء اللہ خان والا اعتراض صادق آتا ہے۔ پس اگر ہندی کو چھوڑکر دوسری زبانون پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "سود" ترکی زبان مین دودھ کو

کہتے ہین۔ اور زبان مذکور مین اِس لفظ کو دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی اسی طور پر ترکیب دیتے ہین۔ مثلاً "سود کباب سی" (دودھ کے کباب) اصل در اصل یہ لفظ سوتر حلوا یعنی دودھ کا حلوا ہے۔ اور حقیقت مین وہی لفظ صحیح ہے جس کو فصحا غلط سمجھے ہین۔

ولندیزی کا لفظ تو ایک خاص زمانے کی تاریخ تھا۔ مگر یہ لفظ دو ملکون کی تاریخ پر حاوی ہے کیونکہ ترکی اور عربی الفاظ کے اس طرح پر ترکیب پانے سے پہلے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمانے مین یہ لفظ وضع ہوا اُس زمانے مین تُرکستان نور اسلام سے منور ہو چکا تھا۔ اور عربی تمدن اور باہمی میل جول کا اثر کھانے پینے تک کی چیزون گویا کہ اہلِ مُلک کی روزانہ زندگی مین نمودار ہو چلا تھا۔ اور اِس لفظ کے ہندوستان مین آنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تُرک لٹیرون اور رہو کے ننگون کی طرح صرف لوٹ مار کے لیئے ہندوستان مین نہین آئے بلکہ ایک اعلیٰ درجے کی شائستہ اور متمدن قوم کے طور پر یہان گھر بنانے کے لیئے آئے تھے۔

افسوس ہے کہ اُردو کے جس قدر لغات اسوقت تک طبع ہوئے ہین اُن مین مطلق الفاظ کی حقیقت یا استقاق کی طرف توجہ نہین کی گئی اور اس لیئے اگر اہلِ علم تھوڑا وقت اپنی زبان کی اس قسم کی خدمت مین صرف کیا کرین تو فائدہ اور لطف سے خالی نہو۔

اُردو کانفرنس بدایون

صدر انجمن جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے کی افتتاحی اسپیچ

اے حضرات! مین تہ دل سے احباب بدایون کا شکریہ ادا کرتا ہون کہ اُنھون نے اس عظیم الشان جلسے کی صدارت کی عزت مجھکو بخشی - اگرچہ مجھکو اعتراف ہی کہ ابھی تک مجھ سے اپنے ملک یا قوم یا کم سے کم ملکی زبان کی ایسی کوئی خدمت نہین بن پڑی ہی کہ مین اپنے آپ کو اس اعزاز کا مستحق سمجھ سکون بلکہ سچ یہ ہی کہ اس جلسہ مین بہت سے ایسے بزرگان قوم موجود ہین جو مجھ سے بہت زیادہ استحقاق رکھتے ہین جبکہ ملک مین عام بیداری کے آثار پیدا ہو چکے ہین اور ملکر کام کرنے کا جوش خواہش کے درجے سے نکل کر عملی قابلیت مین جلوہ گر ہو رہا ہے اور ہر طرف کانفرنسون اور کانگرسون کی گرم بازاری ہے تو بڑے غضب کی بات ہی کہ وہ زبان جسکو ہندوستان کی عام زبان ہونیکا فخر حاصل ہے عالم کس مپرسی مین پڑی ہوئی سسکتی ہے اور کوئی مجموعی قوت اُسکی دستگیری پر آمادہ نہو اگرچہ زمانہ کی بیچینی نے کبھی کبھی ادھر توجہ دلائی اور کبھی انجمن ترقی اُردو کے قیام سے ایک قسم کی اُمید بندھائی اور کبھی اُردو سبھا کے دلکش خیال نے دل کو تسکین بخشی - مگر یہ سب تحریکین پا در ہوا ہو کر رہ گئین - اور یہ فخر اس تاریخی شہر کے خوش خیال بزرگون کی قسمت مین لکھا تھا کہ یہ تخم ریزی جو مدت سے ہو رہی تھی اُنھی کے ہمدرد ہاتھون کی آبیاری سے سرسبز ہوا اور پھولے اور پھلے یہان تک کہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرکے تمام ملک پر چھا جائے - بعض لوگون نے مجھ سے دبی زبان سے دریافت کیا کہ اُردو کانفرنس اگر ہوتی تو یا دہلی مین یا لکھنؤ مین - بدایون سے اس کو کیا تعلق ہے نہ وہان کی زبان ٹکسالی ہی - اور نہ اہل بدایون نے اُردو لٹریچر مین کچھ ایسا معتدبہ اضافہ کیا ہے - مین نے اسکا پہلا جواب تو یہی دیا کہ مصرع این سعادت بزور بازو نیست - النصیب یصیب - اور اسکے علاوہ یہ بھی ظاہر کیا کہ بدایون کو علم کے ساتھ ہمیشہ سے ایک خاص نسبت رہی ہے - اِسی

کہ وہ محکوم کی زبان کو خود اپنی زبان بنالے اور اسی لیئے جو لوگ حضرت امیر خسرو کے کلام سے
آشنا ہین وہ جانتے ہین کہ اس ابتدائی زمانہ مین ہندی زبان نے بازارون سے لیکر دربار
تک رسائی پیدا کرلی تھی اور حاکم و محکوم کی روزانہ ضرورتون پر حاوی ہوگئی تھی۔ اسیطرح ابن
بطوطہ کے سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہی کہ گو محمد تغلق بڑا عالم و فاضل شخص تھا مگر وہ عادتاً ہندی
ہی بولا کرتا تھا اس سے صاف پایا جاتا ہی کہ مسلمانون کے ہندوستان مین آنے کے بعد ہندی
کا عام طور پر رواج ہوگیا تھا اور وہ حالت موجودہ پر مدتون مین پہونچی ہی یہی وجہ ہے کہ
آج تک یہی زمین سرتاسر ہندی ہے اور عربی فارسی کا جو کچھ حصہ نظر آتا ہے وہ محض
گلکاری ہی جو لوگ اصول ارتقا سے واقف ہین وہ بخوبی جانتے ہین کہ دانہ سے دفعتاً
ہرے بھرے درخت کا پیدا ہوجانا قوانین فطرت کے مطابق نہین، بلکہ ہر شئے اپنی موجودہ
حالت پر صدیون مین ترقی کرتے کرتے پہونچا کرتی ہی۔ اسیطرح اُردو کی نسبت بھی یہ سمجھنا صحیح
نہین ہے کہ یہ زبان دفعتہً شاہجہان کے زمانے مین پیدا ہوگئی اور چونکہ دربار مین عموماً فارسی
بولی جاتی تھی اور لشکرون اور بازارون مین ہندی ذریعہ تبادلۂ خیالات تھی اس لیئے اسکو
اُردو کہنے لگے۔ بلکہ حقیقت حال یہ ہی کہ اسکی بنیاد مسلمانون کے ہندوستان مین قدم رکھنے کے
ساتھ ہی پڑی تھی اور وہ موجودہ بام ترقی پر بہت ہی رفتہ رفتہ پہونچی ہی۔ اسی طرح یہ عام خیال
ہی کہ ولی دکنی سب سے پہلا اُردو کا شاعر ہوا ہے۔ لیکن جبکہ یہ سوچا جائے کہ جو زبان ولی
استعمال کرتا ہے وہ موجودہ زبان سے بڑی حد تک ملتی جلتی ہی اور اس درجے تک اُس کی
رسائی صدیون مین ہوئی ہوگی اور ممکن نہین ہی کہ زبان اہل ہند کی تمام صورتون پر حاوی
ہوگئی ہو اور فوراً جذبات نے موزون کلام کی صورت نہ اختیار کی ہو۔ اس لیئے یہ امر بخوبی
سمجھ مین آسکتا ہی کہ ولی سے پہلے بھی بہت سے شاعر گذرے ہین مگر دست برد زمانے نے اُنکا
کلام محفوظ نہین رکھا۔ مین نے خود اس زبان مین عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تاناشاہ
کے دیوان حیدرآباد مین دیکھے تھے اور گو اُن کی زبان مین ولی جیسی سلاست اور روانی
نہ تھی پھر بھی اُس کو اُردو کے سوا کچھ اور نہین کہہ سکتے۔ اِن چند باتون سے آپ کو معلوم
ہوگیا ہوگا کہ گو متعدد لوگون نے اُردو زبان کی تاریخ لکھنے کی کوشش کی ہی لیکن ابھی تک
اِس میدان مین باریک بین تحقیقات کے لیئے بڑی گنجائش باقی ہی اور مجھے اُمید ہے کہ یہ
کانفرنس اِس طرف ضرور توجہ کرے گی تاکہ اُردو زبان کی ایک جامع اور مکمل تاریخ مرتب ہوجائے

یہ ایک نہایت عجیب بات ہی کہ گو اُردو نے جنم دہلی مین لیا اگر وہان بازارون سے لیکر صفحۂ قرطاس پر جلوہ گر نہو سکی اور یہ فخر دکن ہی کی قسمت مین لکھا تھا کہ وہ اُس کے آغوشِ محبت مین پرورش پاکر اپنے پاؤن پر کھڑی ہوا اور ادبی زبان کا درجہ حاصل کرے اور اسوقت بھی اُردو زبان کے سب سے بڑے سرپرست ہمارے خداوند نعمت حضور پُرنور نظام خلد اللہ ملکہ ہین جن کے کلام فصاحت التیام سے میدان سخن مین نئی نئی شاہراہین نکل رہی ہین اور جو جنت نگاہ اور فردوس ہوش ہین۔ حضور پُرنور کے شاگرد رشید اور مدار المہام ہز اکسلنسی عالیجناب مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت بہادر نے بھی (جو زبان اُردو کے سچے شیدائی ہین) اپنی ہمہ دان طباعی سے اُردو لٹریچر کی مختلف شاخون کو مالا مال کیا ہی اور خطۂ دکن مین بادشاہ و وزیر کی سخن شناسی نے اُردو لٹریچر کی ترقی کا جوش عام طور پر پیدا کر دیا ہے۔

یہ امر محتاج بیان نہین ہی کہ ہندوستان مین عموماً مسلمانون کی جو قومین آکر آباد ہوئین اُنکی مادری زبان زیادہ تر فارسی تھی اور اُردو زبان کی بنیاد اِسی وجہ سے پڑی کہ مسلمانون کو ہندوؤن سے اور ہندوؤن کو مسلمانون سے تبادلۂ خیالات کی ضرورت تھی اور چونکہ تعداد کے لحاظ سے غالب گروہ ہندو تھا اس لیئے مشترکہ زبان کی بنیاد ہندی ہی پر رکھی گئی اور اُس پر عربی اور فارسی کے قصر ایوان تعمیر ہوئے۔ پس اُردو کی نسبت یہ کہنا کہ یہ خاص مسلمانون کی زبان ہی انصاف کا سراسر خون کرنا ہے حقیقت حال یہ ہی کہ مشترکہ زبان ہی اور اُسکو ہندوؤن کی زبان ہونیکا بھی اُسی طرح فخر حاصل ہے جسطرح مسلمانونکی زبان ہونیکا خاصکر شمالی ہندوستان اور حیدرآباد دکن مین تو دونون قومون کی مادری زبان سوائے اُردو کے کوئی اور زبان نہین قرار دی جا سکتی اور دوسری طرح پر بھی ہندوستان کی اگر کوئی عام زبان ہی تو اُردو ہی ہی۔ لداخ اور تبت کے سر بفلک برفیلے پہاڑون سے لیکر راس کماری تک چلے جاؤ اور سندھ کے ریگزارون سے لیکر ریاستہائے شان تک (جہان تہذیب اور تمدن نے ابھی جنم لیا ہی) جاؤ ہر جگہ اگر کوئی زبان آپ کی مشکل کشائی کرسکے گی تو یہی اُردو زبان ہے۔ ہندوستان ہی پر مقرر نہین ہے خلیج فارس کے ساحل پر بغداد و نجف اشرف تک اور ساحل عرب پر عدن سے لیکر جدہ تک اور افریقہ کے تمام ساحل بلکہ بہت سے اندرونی

[1] حضور نظام مرحوم سے مراد ہی۔ ا-ز

حصون مین بھی اور جزائر مارشیس اور جمیکا اور ایسٹ انڈیز بلکہ کیلیفورنیا مین
بھی اُردو کے سمجھنے والے موجود ہین۔ پس ایسی عالمگیر مقبول عام زبان کی اہمیت
کم کرنے کے لیے یہ کہہ دینا کہ یہ صرف ہندوستان کی ایک قوم کی زبان ہی کتنی بڑی
غلطی ہی۔ اگر آپ اُردو لٹریچر کی تاریخ پر نظر ڈالین گے تو معلوم ہوگا کہ اُس کو موجودہ
بام ترقی پر پہونچانے مین ہندؤن نے بھی اتنا حصہ لیا ہی جتنا کہ مسلمانون نے اور
ہندو دھرم کی کتابون کے ترجمے بھی اُسی کثرت سے موجود ہین جتنے کہ مسلمانون کی
مذہبی کتابون کے ہین۔ کسی زبان کے قومی ہونے کی دلیل اس سے بڑھکر نہین ہوسکتی
کہ اُسمین مذہبی کتابین لکھی جائین، انشا مین، تاریخ مین، ادب مین، ناول نگاری مین
شاعری مین، تذکرہ نویسی مین، جس فن پر غور کرین گے ہندو مسلمان مصنفین دوش
بدوش پائے جائین گے۔ اور اگر قدیم زمانہ کو چھوڑکر آپ زمانہ حال پر بھی (جبکہ اس قسم
کے امتیازات پر بہت زور دیا جارہا ہی) نظر ڈالین گے تو معلوم ہوگا کہ اگر مسلمانون مین
مولوی عبدالحلیم شرر جیسا جادو نگار ناولسٹ (جس کی زبردست قوت متخیلہ زمانہ گذشتہ
کے عروج و زوال کا نقشہ ہماری آنکھون کے سامنے لاکر کھڑا کر دیتی ہی) موجود ہی تو ہندو
بھی پنڈت رتن ناتھ سرشار کی معجز بیانی پر (جو معاصرین کے اخلاق و آداب وطرز معاشرت
کی جیتی جاگتی تصویر کھینچنے مین کمال رکھتے تھے اور روتے آدمی کو ہنسا دیتے تھے) فخر
کرسکتے ہین۔ اگر مسلمانون کو شیخ عبدالقادر جیسے اردو کے ترقی خواہ پر ناز ہی تو ہندو
بھی اُن کے مقابلہ مین منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر زمانہ اور منشی نوبت رائے نظر
جیسے اُردو لٹریچر کے خدمت گذارون کو پیش کرسکتے ہین۔ اور ہمارے کرمفرما لالہ سری رام
ایم اے دہلوی نے (جن کے خاندان کے خاص طور پر لٹریچر پر احسانات ہین) اپنے ذمہ
ایک ایسی سخت اور اہم خدمت لی ہی کہ وہ اُس کی انجام دہی مین بچے سے جوان
اور انشاءاللہ جوان سے بوڑھے ہوجائین گے جب کبھی تکمیل کی صورت دیکھین گے۔
اسی طرح شاعری مین اگر تعلیمیافتہ گروہ مین شیخ محمد اقبال اور حسرت موہانی مسلمانون مین
پیشرو سمجھے جاتے ہین تو وہی درجہ ہندؤن مین سرور جہان آبادی اور پنڈت برج نرائن
چکبست کو (جن کی زبردست انشا پردازی نے فن تنقید پر ایک نئی روشنی ڈالی ہے) حاصل

۴- اسمین شک نہین کہ شمالی ہندوستان کی حد تک یہ خیال بالکل [illegible] اردو

کی سرپرستی سے مفید کتابون کی تصنیف و تالیف شروع ہوئی اور شمس العلما ڈاکٹر نذیر احمد کی طباعی نے ناول نگاری کی بنیاد ڈالی اور حکومت کی ضرورتون کی وجہ سے لغات کی کتابین پہلے انگریزی مین اور بعد مین اُردو مین مرتب ہوئین - اُردو شاعری کو ناسخ و آتش اور مومن و ذوق کی قادر الکلامی نے معراج کمال پر پہونچایا - اور غالب کے مالامال تخیل اور زبردست جدّت پسندی نے ایک نئی دُنیا سے آشنا کیا اور داغ کی زباندانی نے اُس پر اور بھی چار چاند لگائے - مگر زمانے نے ایک نیا پلٹا کھایا تھا اور ہماری شاعری وہین تھی جہان قدیم اُستادون نے اُسکو پہونچا دیا تھا اور اس لئے اُسکو مدت سے کسی ہمدرد آواز کی تلاش تھی - انگریزی کی مثال ہے کہ "ضرورت ایجاد کی مان ہے" اور اس لیئے نئے دور کی ضرورتون سے متاثر ہو کر شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُنھین نے قوم کی گذری ہوئی عظمت اور موجودہ ردی حالت کا فسانہ ایسے دردناک آواز مین سُنایا کہ خواہ کوئی سمجھا یا نہ سمجھا مگر ایسا کوئی بھی نہ تھا جو دل پکڑ کر بیٹھ گیا ہو - اور سب کو معلوم ہو گیا کہ شاعر کا کام صرف عاشقانہ جذبات کا اُبھارنا نہین ہے بلکہ وہ اگر اپنی خداداد قوتون سے صحیح طور پر کام لے تو قومون کا ہادی اور اُن کو گرداب جہالت سے نکالنے والا بن سکتا ہے - غرض کہ مولانا حالی نے ہماری زبان مین نئی شاعری کی بنیاد ڈالی - اور گو ابھی تک اس پودے نے اچھی طرح جڑ نہین پکڑی مگر عام خیالات مین تحریک پیدا ہو گئی ہے اور اُمید ہے کہ چند روز مین خوب پھولے اور پھلے گا - اسی کے قریب ہمارے مخدوم مولانا شبلی کی تحقیقات پسند طبیعت نے اسلامی تاریخ کی طرف توجہ فرمائی اور زمانہ گذشتہ کی عظمت و جبروت اور علمی معرکہ آرائیون کی تصویر ایسے پُر زور قلم سے کھینچی کہ ملک مین عام طور پر تاریخ کا مذاق پیدا ہو گیا - اُن کی تصانیف اِس قدر گران پایہ ہین کہ ہر لٹریچر اُن پر واجبی طور پر فخر کر سکتا ہے - غرضکہ اِس سو سال کے عرصے مین ہماری بے مایہ زبان بڑے درجے تک ہر قسم کے زیورون سے آراستہ ہو گئی ہے - مگر بہت کا اشارہ ہے کہ ابھی تک کچھ بھی نہین ہوا - اور میدان بھی اسقدر وسیع ہے کہ جس قدر بھی ترقی کی جائے کم ہے -

ایک آواز میرے کان مین اکثر آیا کرتی ہے کہ اس وقت تک لٹریچر کی خدمت جو کچھ کی ہے وہ اُنھین لوگون نے کی ہے جن کی تعلیم قدیم طرز پر ہوئی ہے - اور نئے تعلیم یافتہ گروہ

سے ابھی تک ایک مرد میدان بھی نہ نکلا یا دوسرے الفاظ مین بقول آزردہ۔

کامل اس فرقۂ زہاد سے نہ نکلا کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

الزام لگانا تو نہایت ہی آسان ہی لیکن کبھی اسکے اسباب پر غور بھی کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ امر غور طلب ہی کہ قدیم تعلیم یافتہ گروہ کی تعداد بمقابلہ جدید تعلیم یافتہ گروہ کے کس قدر زیادہ ہی۔ قدیم تعلیم کی داغ بیل صدیون پہلے پڑی تھی اور جدید تعلیم کا چرچا اگر کچھ ہوا ہی تو یہی پچھلے پچیس تیس سال مین ہوا ہی۔ اس لیئے اگر قدیم تعلیم یافتہ گروہ سے (جس کی تعداد لاکھون سے کم نہین ہی) دس پانچ ایسے لوگ نکلے جن کی عالی دماغی طباعی نے ریگ زمانے پر ایسے نقش پا چھوڑے ہین جن کو باد حوادث نہین مٹا سکتی تو کیا تعجب بات ہی' اور آپ اس محدود نئے تعلیم یافتہ گروہ سے (جسکی تعداد ابھی ہزارون تک نہین پہونچی) کیونکر امید کر سکتے ہین کہ وہ بھی اس بارے مین قدیم لوگون کا مقابلہ کر سکے گا۔ اگر آپ دوسرے صوبون مثل بنگال اور مہاراشٹرا پر نظر ڈالین گے تو معلوم ہوگا کہ چونکہ وہان جدید تعلیم یافتہ گروہ کی تعداد متعدد بہ ہی اور سلسلۂ تعلیم و تعلم ایک عرصۂ دراز سے جاری ہی اس لیئے اُنھون نے اپنے قومی لٹریچر کی ترقی مین بڑا حصہ لیا ہی اور مین سمجھتا ہون کہ کچھ ہی زمانہ جاتا ہی کہ یہان بھی ایسی حالت نظر آنے لگے گی۔ تیسرے ہم لوگون مین تعلیم پانے والے بھی عموماً وہی لوگ ہین جو کسب معاش کے مخمصون مین مبتلا ہین۔ اور اسی خاطر علم حاصل کرتے ہین) اور چونکہ وہ کالج سے نکلتے ہی تلاش معاش کی صعوبتون مین مبتلا ہو جاتے ہین اس لیئے اُن کو علمی مشاغل کے لیئے وقت نہین ملتا۔ مین بہت سے ایسے تعلیم یافتہ لوگون کو جانتا ہون کہ اگر وہ معاش کی طرف سے بے فکر ہوتے تو اُن کا وجود قومی لٹریچر کے لیئے مایۂ ناز ہوتا مگر زمانے نے اُن کو اس قدر ستا رکھا ہی ادھر توجہ کرنے کی اُنھین مہلت ہی نہین ملتی۔ چوتھے یہ بھی غلط ہی کہ نئی تعلیم دماغی عروج کی مؤید نہین ہی۔ دوسری قومون کا تو مین ذکر کرنا ضرور نہین سمجھتا لیکن اگر مسلمانون ہی کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ سید محمود' سید امیر علی' سید حسن بلگرامی سید علی بلگرامی اور علی ہذا اور بھی بہت سے لوگ اگر جدید تعلیم نے پیدا نہین کیئے تو کس نے کیئے۔ مین دریافت کرتا ہون کہ ہماری زبان مین جو مغربی علوم و فنون کے ترجمے موجود ہین اگر نئے تعلیم یافتہ

لوگون کی محنت۔ نتیجہ نہین ہین تو کیا ہین۔ اخبارون مین جو ترقی نمودار ہو وہ کسکی توجہ کا ثمرہ ہی۔ اعلیٰ درجے کے رسالے جو ملک مین کثرت سے نکل رہے ہین اور ملکی لٹریچر مین بیش بہا اضافہ کر رہے ہین وہ کس کی دماغ سوزی سے عالم وجود مین آئے ہین پرانی شاعری مین روح کون پھونک رہا ہی۔ غرضکہ اس قسم کے سوالات پر غور کرنے سے آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ نئی نسل پر جو الزام لگایا جاتا ہی وہ بجائے خود نہین ہی۔

لیکن مین یہ تسلیم کرتا ہون کہ نئے تعلیم یافتہ گروہ کی طرف سے سوائے رسالون کے اجراء کے ابھی تک کوئی باقاعدہ کوشش اپنے قومی لٹریچر کو نئے خزانون سے مالامال کرنے کے لئے نہین کی گئی ہی۔ اور اس امر کی شدید ضرورت ہی کہ ادھر جلد توجہ کی جائے لٹریچر کو ہمیشہ قومی ترقی کا مؤید ہونا چاہیئے۔ تاریخ عالم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ جسقدر دماغی اور تمدنی ترقی قدیم یونانیون نے کی ایسی آج تک کسی قوم کو نصیب نہین ہوئی اور اُنھون نے اپنے زمانۂ عروج مین اعلیٰ اخلاق اور ایثار نفس اور حب قومی کے ایسے ایسے عمدہ نمونے دُنیا کے سامنے پیش کیئے کہ آج بھی اُنکی تقلید قومی ترقی کی کنجی سمجھی جا سکتی ہی یہ ایک عجیب بات ہی کہ گو دُنیا نے اُس ابتدائی زمانے کے مقابلہ مین بہت کچھ ترقی کی ہی اور اس زمانے مین علم کے اعتبار سے ایک بچہ بھی اُس زمانے کے قابل ترین اشخاص سے فائق ہی مگر جہان تک عالی دماغی، پرواز خیال، اصابت فکر اور روشن ضمیری کو تعلق ہی گو ہر عہد مین بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے اور زمانے نے بہت سے پلٹے کھائے مگر سقراط اور افلاطون اور ارسطو اور اقلیدس جیسا ایک شخص بھی نہ پیدا ہوسکا۔ یہی لوگ ہین جو آسمان علم پر آفتاب ہوکر چمکے اور اُنکی عقل خداداد کی نورانی شعاعین آج بھی دُنیا کو تاریکی جہالت سے نکالنے کے لئے اسی طرح کارگر ہین جیسے کہ پہلے تھین۔ اسی طرح اگر فصاحت و بلاغت کے میدان کی سیر کرنی ہو تو ڈماسٹھینز کو ایسی بلندی پر پاؤگے کہ نظر خیرہ ہوتی ہی اور حب وطن مین پرکلیز اور اشائڈیز اور فنون نفیسہ مین فیڈیس کے کارنامے کبھی بھلائے سے بھی نہین بھولے جا سکتے۔ جہان تک کہ شاعری کا تعلق ہی ہومر اور یوری پیڈیز اور سوفوکلیز نے اپنی معجز نمائیون سے وہ طلسم قائم کیئے ہین کہ آج بھی ذہن انسانی کی وہان تک رسائی ہونا دشوار ہی۔ جبکہ دُنیا مین جہالت چھائی ہوئی تھی تو یونانیون ہی کی طباعی شمع ہدایت کا کام کرتی تھی اور تاریخ عالم شاہد ہی کہ جب کسی زمانے مین عملی اور علمی ترقی ہوئی ہی تو

یونانی تصانیف ہی رہبر طریق بنی ہین۔ رومی ابتدا ایک زبردست مگر وحشی قوم تھے
مگر جب اُنھون نے یونان کو فتح کیا اور وہان کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوئے تو فخر امم
کے معزز لقب کے مستحق ثابت ہوئے۔ اِسی طرح مسلمانون مین بھی ابتدائی زمانے مین
دماغی ترقی کی بُنیاد اُسی وقت پڑی جبکہ یونانی کتابون کے ترجمے ہوئے۔ اور یورپ
بھی مدتون تک تاریکی جہالت مین مبتلا رہا یہان تک کہ یونانی علم کی شعاعین مسلمانون
کے ذریعے سے پہونچین جنھون نے رفتہ رفتہ تمام بر اعظم کو مطلع انوار بنادیا۔ عربون پر بہت
بڑا الزام ہی کہ وہ اپنے لٹریچر کی خوبیون مین اِس قدر محو تھے کہ اُنھون نے کسی دوسری
قوم کے لٹریچر کو فائدہ اُٹھانے کے قابل نہین سمجھا اور یہی وجہ ہی کہ یونانی علم ادب کے
خزانے مخفی کے مخفی رہے اور عربون کی ادبی ترقی ایک درجہ پر جاکر رُک گئی اور وہ
اِس بلندی پر نہ پہونچ سکے جو اِس زمانے مین اہل یورپ کے لئے مخصوص ہی۔ پس
اگر آپ چاہتے ہین کہ آپ کی قوم بھی ایک زندہ قوم بنجائے اور دُنیا کی بیش بہا میراث
مین اپنا حصہ لے تو آپ کو چاہئیے کہ کلاسیکل لٹریچر کی طرف (جو اِس ترقی یافتہ زمانے
مین بھی یورپ کے نصاب تعلیم مین شریک ہی) توجہ کرین اور کلاسکس کے ترجمون کے ذریعے
سے اپنی زبان کے علمی سرمایہ مین اضافہ کرین۔ یہ صحیح ہی کہ ہم لوگ یونانی اور رومی
زبانون سے بے بہرہ ہین مگر انگریزی نے ہمارے لیئے یہ مشکل آسان کردی ہی۔ یہ
ایک ایسی دعوت ہی کہ ہر مذاق کے لوگ شریک ہوسکتے ہین کیونکہ جن لوگون کی طبیعت
تاریخ کی طرف مائل ہی وہ اُدھر توجہ فرما سکتے ہین، اور جو لوگ مذاق سخن رکھتے ہین وہ
جادو نگاران یونان کی مثنویون اور ناٹکون اور قصیدون کو اپنی زبان کا لباس پہنا
سکتے ہین۔ اِسیطرح یہ امر بھی قابل افسوس ہی کہ اگرچہ اُردو کی بُنیاد ہندی زبان پر قائم ہی
اور مسلمانون نے ہندسہ و ہیئت و نجوم و طب کے متعلق علوم سنسکرت سے بہت کچھ فائدہ
اُٹھایا مگر فنون لطیفہ اور خاصکر علم ادب کی طرف توجہ نہین کی۔ حالانکہ قدیم ہندؤن نے
فن شعر مین جیسے داد ذہانت دی ہے اور اُن کی رسائی فکر نے جس بلندی پر اُس کو
پہونچا دیا ہی اُس کی مثال بہت مشکل سے دوسری قومون مین مل سکتی ہی۔ اِس لاپروائی
کا باعث ہی کہ شاعری بالکل لوکل کلر (مقامی رنگ) سے خالی ہی، اور ہم رہتے تو ہندوستان
مین ہین مگر خواب دیکھتے ہین ایران کے۔ موجودہ زمانہ مین انگریزی نظمون کے ترجمہ

نقصان کے انھون نے کبھی اپنی ہمت پست نہونے دی اور نہایت سرگرمی کے ساتھ ہی کوشش مین مصروف رہے کہ انکا رسالہ ہر اعتبار سے قابل قدر ہو۔ حال مین ایک رسالہ ادیب منشی نوبت رائے کی اڈیٹری مین نہایت آب و تاب کے ساتھ نکلتا ہی اور اگر آئندہ بھی اسی شان سے نکلتا رہا تو اسکا وجود اردو لٹریچر کے لیئے زیب و زینت کا باعث ہوگا۔ اسکے علاوہ اور بھی بہتسے چھوٹے چھوٹے رسالے مختلف مقامات سے نکل رہے ہین اور اس قسم کے متعدد رسالونکا نکلنا ثابت کرتا ہی کہ تعلیمیافتہ گروہ مین ملکی ضرورتونکا احساس پیدا ہو گیا ہی اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق پاکیزہ خیالات اور علم کی اشاعت مین مصروف ہی۔ اگرچہ بعض لوگ اس قسم کے رسالونکے کثرت سے نکلنے پر معترض ہین لیکن مین اسکو ملک کی آئندہ ترقی کے حق مین ایک نیک فال سمجھتا ہون کیونکہ ہر رسالے نے اپنے قدردانونکا ایک خاص حلقہ پیدا کر لیا ہی۔

قبل اسکے کہ مین اپنی اس تقریر کو (جو کسی قدر طولانی ہوگئی ہی) ختم کرون دو لفظ موجودہ شاعری کی نسبت بھی کہنا چاہتا ہون۔ اگرچہ اسمین شک نہین کہ مشرق و مغرب کے میل جول سے ہماری زبان مین دوسرے ملکونکی شاعری کے نمونے روز بروز بڑھتے جاتے ہین اور ہمارے موقت الشیوع رسالے اس بارے مین بڑے کام کر رہے ہین اور رفتہ رفتہ اسکا اثر عام طبائع پر بھی ہو رہا ہی۔ گو کہ ابھی تک وہ اثر غیر محسوس حالت مین ہی مگر ملک کے عام مذاق کی وہی کیفیت ہی جو پہلے تھی۔ زمانہ کہین سے کہین پہونچ گیا ہی مگر ہم جہان تھے وہین ہین۔ کبھی ایسی چیز جو زمانہ کے مطابق نہو دیرپا اثر پیدا نہین کرتی۔ مانا کہ شاعری کو جذبات عشق و محبت سے نہ ٹوٹنے والا تعلق ہی مگر ہر زمانے کے عشق و محبت کی شان جدا ہوتی ہی۔ اور یہ ضرور نہین ہی کہ اسکا تعلق کسی سادہ رو ہی سے ہو۔ بلکہ فطرت کی بوقلمونی، وطن کی کشش اور دلفریبی قوم کی ترقی اور ملک کی حریت بھی اسکا موضوع ہو سکتے ہین۔ اور اب اس امر کی ضرورت ہی کہ بت سادہ و ناصح مشفق و رقیب روسیاہ کی تثلیث سے نکلکر دائرہ عشق کو وسیع کیا جائے اور ان کو بھی طبع آزمائی کا ذریعہ بنایا جائے جو عام طور پر مسرات انسانی کے مجموعہ مین اضافہ کرتے اور قومون کی ترقی و عروج کا سبب ہوتے ہین۔

[illegible]

مناسب حال رویہ کا علم ہو۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے بچے! والدین کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ کرنا۔ اپنی بیوی بچون کی اچھی
طرح پرداخت کرنا۔ کوئی فعل کسی پر معصیت تحریک کے اثر سے نکرنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے بچے! صدقہ دینا اور کثرت سے خیرات کرنا۔ اُصول قانون و نیکی کے مطابق
کاربند ہونا۔ دوستون اور عزیزون [illegible] ی کرنا۔ نیک[illegible] کام کرنا۔ یہ اُمور [illegible]

اودیو خوب ذہن میں [illegible]

اودیو کے بچے! گناہ سے احتراز کر[illegible] اور اپنے احتراز کی طرف فوراً اور ہمہ تن مصروف
ہوجانا۔ مسکرات سے پرہیز کرنا۔ نیکیاں [illegible] کرنے کا اُصول ہمیشہ [illegible] نظر رکھنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے

اودیو کے بچے! اُن لوگون کی عزت کر[illegible] عزت ہون۔ ہمیشہ [illegible] المزاج اور قانع
رہنا جو احسانات کیئے جائین۔ اُن کے لحاظ سے مم[illegible] رہنا۔ مناسب اوقات مین [illegible] م شاستر
کا وعظ سننا یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے بچے! صبر کرنا اور مصیبتون کو تحمل سے برداشت کرنا۔ اچھی باتون سے خوش
ہونا۔ جب موقع ہو تو نیک لوگون کے پاس جانا۔ دھرم کی باتون پر گفتگو کرنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے بچے! مجاہدۂ نفس کرنا۔ صداقت اعلیٰ پر استقلال سے قائم رہنا۔ ہمیشہ
اِس امر کی کوشش کرنا کہ ایسے طریقے پر عمل کیا جائے جو سب سے زیادہ نیکی کی طرف
مائل ہو۔ حصول نروان پر مضبوطی سے نظر جمائے رہنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے بچے! رنج و خوشی کے اثر سے بالا رہنا۔ دل کو ہر حال مین مطمئن رکھنا۔
جذبات نفسانی سے بری رہنا۔ دُنیا کے ہر قسم کے خطرات کے مقابلے مین بالکل مطمئن اور
بے خوف رہنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔



[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پاک اور بیرونی دشمنون کے حملون سے محفوظ ہوا وریہ امر عبدالرحمن ثالث کے زمانہ سے پہلے نصیب نہ ہوا جس کی دوربین مصلحت اندیشی نے اُس کو سب سے پہلے خانہ جنگیون کے استیصال کی طرف مائل کیا اور جب اس سے نجات ملی تو اُس نے بیرونی دشمنون کے مقابلے اور سرحدون کی توسیع اور استحکام کی طرف توجہ کی اور اس کے ساتھ رعایا سے ایسی بےتعصبی اور انصاف کا برتاؤ کیا کہ سب لوگ بلا لحاظ قوم وملت اُس کے گرویدہ ہوگئے۔ اُسکی فراست ودانائی اور اولوالعزمی وحکمت عملی کی یہان تک شہرت ہوئی کہ قیصر روم و پادشاہان اٹلی وفرانس وجرمنی نے اُس کے پاس سفارتین بھیجین جب ملک مین امن وامان قائم ہوگیا اور بیرونی خطرون کا اندیشہ جاتا رہا تو اُسنے الناصرالدین اللہ کا [illegible] اختیار کرکے دربار خلافت کی بنیاد ڈالی اور صلاح وفلاح رعایا اور آراستگی ملک کی طرف توجہ کی اور ایسے ایسے مفید کام کئے جنکی مثال یہ ترقی یافتہ زمانہ بھی مشکل سے دکھا سکتا ہے۔

اِس اولوالعزم بادشاہ کے خلف الصدق اور جانشین الحکم المستنصر باللہ کے تخت نشینی کا سین ہم دکھلانا چاہتے ہین۔ الناصرین اللہ کا انتقال تاریخ ٢ رمضان المبارک ٣٥٠ھ کو ہوا اور اُس کے تیسرے روز جمعرات کے دن ٥ رمضان المبارک کو الحکم نے تخت خلافت پر قدم رکھا اور تمام صوبون کے والیون کے نام فرمان صادر کئے کہ اُس کے لیئے تمام طبقہ جات رعایا سے بیعت لین اور اُس کے بعد محلّات اور فوج کا جائزہ لیا۔ سب سے پہلے صقالیہ بادی گارڈ نے جو اُسکے باپ نے قائم کیا تھا اور جس مین مسلمان اور عیسائی دونون بلا امتیاز مذہب شریک تھے اطاعت کا حلف لیا اُس کے بعد خواجہ سرائون اور محل کے اعلیٰ افسرون مثل داروغہ اصطبل ومہتمم توشہ خانہ وغیرہ نے بیعت کی اور اپنے اپنے ماتحتون سے حلف لیا اور اُس کے بعد باقی عہدہ داران محلات شاہی مثلاً کاتبون اور خادمون اور مقدمون (کپتانون) اور عارفون (افسرون) نے حاضر ہوکر رسم بیعت ادا کی۔

جب تمام ملازمان محلات خلافت رسم بیعت ادا کرچکے تو الحکم نے اپنے بھائیون ابو مروان عبداللہ اور ابوالاصبع عبدالعزیز کو جو اس وقت تک علیٰحدہ رہے تھے قاصد بھیجکر طلب کیا اور وہ مدینۃ الزہرہ مین جہان تخت نشینی کی رسم ادا ہونے والی تھی حاضر کیئے گئے۔

مدینۃ الزہرہ وہ مقام ہے جس کی تعریف مین اُندلس کے تمام شاعر اور مورخ رطب اللسان

ہین وہ اُس کے جو حالات ہم تک پہونچے ہین اُن سے لحاظ سے کہا جاسکتا کہ اُس کی تعمیر اور آراستگی مین شاہانہ کروفر اور ظاہری تجمل اور احتشام کو انتہائی نقطۂ خیال تک پہونچا دیا گیا تھا۔ اِس قصر کو حسن و عشق کا ایک عجیب و غریب یادگار ہی۔ عبد الرحمن الناصر لدین اللہ کی نفاست پسندی اور حسن پرستی نے قرطبہ سے تقریباً تین چار میل کے فاصلے پر جبل العروس کے پُرفضا دامن مین دریا کے قریب اپنی محبوبہ کنیز الزہرہ کی فرمایش اور نام سے تعمیر کرایا تھا۔ ابتدا مین یہ ایک مختصر ہی سی عمارت تھی جو محض تفریح گاہ کے طور پر بنوائی گئی تھی۔ مگر بعد مین وہان کی روح پرور ہوا اور خوش فضا منظر الناصر کو اسقدر پسند آیا کہ اُس نے وہین اقامت اختیار کر لی پھر کیا تھا بڑے بڑے قصور و ایوان تعمیر ہونے لگے اور اُس کے خادمون اور فوجی افسرون کے لیے بھی ہر طرف عالی شان عمارتین کھڑی ہوگئین اور اسکا نام بجاے قصر کے مدینۃ الزہرہ مشتہر ہو گیا۔

محلات شاہی کو رفتہ رفتہ اسقدر توسیع دی گئی کہ قصر کا طول شرقاً غرباً دو ہزار سات سو ہاتھ اور عرض شمالاً و جنوباً ایک ہزار سات سو ہاتھ قرار پایا۔ عمارت کی سنگینی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ نیچے سے لیکر اوپر تک سنگ مرمر سے بنائی گئی تھی اور اُسکا نقشہ اسقدر دلفریب اور اسمین ہر چیز کے تناسب کا کچھ ایسا خیال رکھا گیا تھا کہ نور کے سانچے مین ڈھلا ہوا معلوم ہوتا تھا اور دیکھنے والا محو حیرت ہو کر رہ جاتا تھا۔ اُسکی تعمیر ۳۲۵ھ مین شروع ہوئی اور الناصر کی زندگی مین پچیس سال تک جاری رہی۔ دس ہزار مزدور اور کاریگر روزانہ کام کرتے تھے اور چودہ سو خچر اور چالیس سو اونٹ جو دربار خلافت کی ملک تھے اور ایک ہزار کرایہ کے خچر اور چار سو اونٹ سامان تعمیر لایا کرتے تھے اور مزدورون کو روزانہ فی کس ایک درہم ملا کرتا تھا۔ اور کاریگرون کو ۲-۱ درہم یومیہ اور ہر خچر کا روزانہ کرایہ تین مثقال چاندی تھا۔ چھ ہزار ترشے اور جلا کئے ہوئے مختلف اشکال کے پتھر روز کار تعمیر مین آتے تھے۔ اور ان ترشے پتھرون اور اینٹون وغیرہ کا تو شمار ہی نہین ہے۔ کل عمارت مین چار ہزار تین سو سولہ ستون لگے جن مین سے بعض اٹلی سے آئے تھے ۱۹ فرانس سے ۱۴۰ شہنشاہ قسطنطینیہ نے نذر کئے تھے۔ اور ایک ہزار تیرہ جو زیادہ تر سبز اور گلابی سنگ مرمر کے تھے کارتھیج ٹیونس و اسفاقس اور افریقہ کے دوسرے مقامات سے لائے گئے تھے۔ اور باقی پتھر اور ستون اسپین کے مختلف معدنون نے مثلاً سنگ سفید طرغونہ اور المریا سے اور دھاریدار سنگ مرمر رایہ سے

آتی تھی تو اسکی کرنین پارہ دری کی چھت اور دیواروں پر منعکس ہوکر اسقدر تیز ہو جاتی تھین
کہ دیکھنے والے کی آنکھین چوندھیا جاتی تھین اور اگر الناصر حاضرین دربار سے کسی کو ڈرانا
چاہتا اور کسی غلام کو اشارہ کردیتا کہ ذرا پارہ کو حرکت مین لائے تو چشم زدن مین تمام
کمرے مین بجلی کے شعلے چمکنے لگتے اور سب لوگ یہ سمجھکر کانپنے لگتے کہ کمرہ حرکت کر رہا ہے
اور یہ حالت اسوقت تک قائم رہتی جبتک کہ پارہ مین جنبش رہتی پھر آرائش و تزئین کی
یہی کیفیت تھی کہ ایک طرف تو خوشنما باغات تھے جن کے اندر مصفا پانی کی شفاف نہرین
اور بلورین چشمے سریلے نغمے گاتے عجب انداز سے بہتے تھے اور کہین سنگ مرمر کے حوض
تھے جنمین مختلف شکل کے جانوروں کے منھ سے فوارے چھوٹتے تھے اور رنگ برنگ
مچھلیان پڑی ہوئی تھین - ایک بڑا فوارہ خاص طور پر قابل ذکر ہے جو احمد الیونانی اور
پادری ربیع قسطنطنیہ سے لائے تھے یہ فوارہ بحرس کا تھا اور اُس پر سونے کا کھرا ملمع ہی
اور اُس پر انسانوں کی تصویرین کھدی ہوئی تھین کہین میوہ دار درختوں کے تختے تھے اور
پھولدار پودوں کے جھنڈ کہین پُر تکلف حمام تھے جن مین سنگ مرمر کے حوض تھے یہ تو
باہر کی کیفیت تھی اگر اندر قدم رکھو تو پھر اور ہی عالم نظر آتا تھا جدھر دیکھو دیوارون
پر ریشمی اور زرکار پردے پڑے ہوئے تھے جن پر کہین جنگل اور صحرا کا سین دکھایا گیا
تھا کہین باغ و بہار کی کیفیت تھی - کہین خطوط اقلیدس کے عجیب دلکش نمونے بنائے
تھے اور کہین جانورونکی تصویرین تھین اور ہر چیز مین ایسی اُستادانہ صناعی سے کام
لیا گیا تھا کہ نقل پر اصل کا دھوکا ہوتا تھا - نیچے کی طرف دیکھو تو رنگ برنگ کے قالین بچھے
ہوئے ہین جن پر نہایت دلفزا گلکاری تھی اس کے علاوہ جا بجا تصویرین بھی لگائی
گئی تھین جو اعلیٰ درجے کی نقاشی کا نمونہ تھین جب عمارت مکمل ہوچکی تو الناصر الدین اللہ
نے اُس صدر دروازہ پر اپنی محبوبہ زہرہ کا نہایت خوبصورت مجسمہ نصب کرایا - کہتے ہین
کہ جب زہرہ پہلی دفعہ قصر مین آئی تو اُس نے جھروکون مین سے دیکھا کہ ایک طرف تو
سفید قصور و ایوان ہین کہ نظر کام نہین کرتی اور دوسری طرف ایک سر بفلک پہاڑ
کالے دیو کی طرح کھڑا ہوا ہے تو اُس نے عبدالرحمن سے کہا کہ "مولائی" دیکھیے یہ پری
چہرہ اس حبشی کے آغوش مین کیسی بھلی معلوم ہوتی ہی - یہ سنکر عبدالرحمن الناصر کو
بڑا جوش آیا - اور اُس نے حکم دیا کہ پہاڑ کو کاٹ کر میدان بنا دیا جائے لیکن جب

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

دیسی مصنوعات کی حفاظت

لارڈ منٹو کے با برکت عہد کے ختم ہونے پر جس نے تاریخ ہند میں اصلاح نظام سلطنت اور توسیع آزادی وحقوق رعایا کے لحاظ سے ایک نیا ورق اُلٹا ہے لندن ٹائمز نے ایک بسیط ریویو لکھا ہے اور اُسکے آخر میں اس امر پر زور دیا ہے کہ دور جدید میں لجسلیٹو کونسلوں کے دیسی ممبر اس امر پر پورا زور لگائیں گے کہ ہندوستان کو فسکل یعنی مالی آزادی نصیب ہو۔

یہ امر اب مسلمات سے ہو گیا ہے کہ کارزار ہستی میں کوئی قوم قعر تنزل سے نکلکر معراج ترقی پر نہیں پہونچ سکتی تا وقتیکہ وہ صنعت وحرفت میں ترقی کرکے خود اپنی ضرورتوں پر حاوی نہو جائے بلکہ میدان مقابلہ میں دوسری قوموں کے دوش بدوش چلکر دنیا کی تجارت میں اپنا حصہ نہ بٹائے ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے اور تاریخ عالم کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کہیں کسی زراعتی ملک نے دنیا کی ترقی میں کبھی کوئی بڑا حصہ نہیں لیا بلکہ اکثر مصائب والام افلاس میں مبتلا رہا ہے۔

ممالک یورپ کو موجودہ امتیاز اُسوقت سے حاصل ہوا ہے جب سے کہ اُنھوں نے میدان صنعت و تجارت میں قدم رکھا ہے اور ہندوستان کو بھی اُس وقت تک فارغ البالی نصیب رہی جبتک کہ یہاں کی مصنوعات دنیا کی منڈیوں میں نظر خریداری سے دیکھی جاتی تھیں۔ موجودہ زمانے میں جو عروج جرمن امریکا اور جاپان کو نصیب ہے اسکا راز بھی صنعتی اور تجارتی ترقی ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے ملک کا خزانہ مالا مال اور رعیت فارغ البال ہوتی ہے۔ اگرچہ زراعت کے اعتبار سے ہندوستان نے کچھ کم ترقی نہیں کی ہے۔ لاکھوں ایکڑ زمینیں جو افتادہ پڑی ہوئی تھیں سرسبز و زارنگی ہیں اور ذرائع آبپاشی کے بدولت بڑے بڑے رقبے موسم کے تلون سے محفوظ ہو کر جواہرات کی کانوں سے زیادہ زرخیز ہو گئے ہیں اور ہمارے ملک کی پیداوار بھی تمام دنیا کی بازاروں میں قدر وقیمت کی نگاہ سے دیکھی جانے لگی ہے لیکن کیا یہ سب مہتم بالشان ترقیاں ملک کی فارغ البالی میں منتج ہوتی ہیں؟ برخلاف اسکے ہم دیکھتے ہیں کہ افلاس روز بروز بڑھتا جاتا ہے اور آئے دن قحط اور گرانی ہمارا دروازہ کھٹکھٹاتی رہتی ہے۔ ہماری خام پیداوار کی مانگ میں جو اضافہ ہورہا ہے اُس سے بجائے اسکے کہ فارغ البالی پیدا ہوتی اُلٹی گرانی بڑھ رہی ہے اور گو انھیں معدودے چند سرمایہ داروں کا فائدہ ہو مگر عام طور پر گرانی افلاس کا دروازہ ہے اگر ہماری ذرائع آمدنی زراعت

ہی پر محدود رہے تو امن و امان ۔ وجہ سے جو تیز رفتار ترقی آبادی میں ہوئی ہے اسکا نتیجہ بالیقین اور بھی افلاس کی زیادتی ہوگا۔ یہ افلاس کی تاریک گھٹا جو ہمارے سر پر منڈلا رہی ہے نہ نظام ملک میں زیادہ خدمتوں کے ملنے سے رک سکتی ہے اور نہ نظام سلطنت میں ہمارا بیشتر زیادہ حصہ ہونے سے بلکہ اقتصادی قوتوں کا مقابلہ جس کا عمل قوانین فطرت کے تابع ہوتا ہے اقتصادی تدابیر ہی سے ہوسکتا ہے اور اس اعتبار سے اگر زیادہ خدمتوں کا ملنا یا نظام مملکت میں ہماری آواز کا اثر ہونا مفید ہوسکتا ہے تو محض اس وجہ سے کہ ہماری قسمت خود اپنے ہاتھ میں آجاتی ہے اور ہمکو ان تدابیر کے عمل میں لانے کا موقع ملتا ہے جو ہمارے نزدیک ذریعہ نجات ہیں ۔

موجودہ حالت یہ ہے کہ سائنس کی ترقی اور کلوں کی ایجاد نے ہندوستان کی قدیم صنعت و حرفت کو جس کا مدار دستکاری پر تھا اور جو ایک زمانے میں دنیا کے بازاروں میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور جس کی بدولت ملک میں فارغ البالی کے آثار نظر آتے تھے بالکل مٹا دیا اور ہوا یہ کہ بجائے اسکے کہ ہم جدید اصولوں پر کارخانے قائم کرتے مدت تک علم و ہنر کے نہونے کی وجہ سے چاہ غفلت میں پڑے رہے اور جب ذرا کروٹ بدلی اور آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے تو معلوم ہوا کہ اس میدان میں دوسری قومیں تو دوڑیں لگا رہی ہیں اور ہمکو ابھی گھٹنیاں چلنا بھی نہیں آیا اور تاوقتیکہ سہارا نہ ملے ہمارا اپنے پاؤں کے بل کھڑا ہونا بھی دشوار ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ہم سوئی سے لیکر ریل کی پٹڑی اور جہازوں کے لیے بیرونی حمایت کے محتاج ہوگئے اور گو اولوالعزمی میں ضرورت کے احساس اور کسب زر کی خواہش نے بہت سے لوگوں کو میدان صنعت و حرفت میں قسمت آزمائی کرنے پر آمادہ کیا لیکن سوائے اسکے کہ تمام پیداوار ہمارے دروازہ ہی پر موجود تھی اور کسی قسم کی مدد نہ ملی بلکہ سخت دقتوں کا مقابلہ کرنا پڑا ۔ امریکا جرمن اور انگلستان کی نوآبادیوں کے تجربے نے ہمکو بتا دیا تھا کہ گو اسمیں ذرا کلام نہیں ہے کہ آزادی تجارت ان قوموں کے حق میں جو مقابلہ کی کڑی منزلیں طے کرکے معراج کمال پر پہونچ گئی ہیں آب حیات ہے لیکن ان قوموں کے لیے جنھوں نے ابھی میدان ترقی میں قدم رکھا ہے وبال جان سے کم نہیں ہے اور اگر ان کی نجات کا کوئی ذریعہ ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ ممالک غیر کی مصنوعات کی درآمد پر گراں بہا محصول لگا کر ایک ایسی آہنی فصیل بنائی جائے جسکے سایہ میں دیسی مصنوعات کو ترقی دینے کا موقع ملے اگرچہ علم اقتصاد کے ماہرین کی متفقہ رائے ہے کہ کسی قوم کا میدان مقابلہ سے منہ موڑ کر آہنی قلعہ میں محصور ہونا قوانین فطرت کے خلاف اور اسلیے اسکے حق میں مضر ہے۔ کیونکہ مقابلے کے نہونے سے ایک قسم کی سہل انگاری پیدا ہو جاتی ہے جو ترقی کی مانع ہوتی ہے اور گو اسمیں ایک خاص گروہ کا فائدہ ہوتا ہے لیکن چونکہ محصول کی وجہ سے اشیا

ایحتاج گران ہوجاتی ہین اسلئے عام طور پر ملک کا نقصان ہوتا ہی - اگرچہ یہ دلائل نہایت قوی ہین لیکن چونکہ یہ اجنبی ویوپار دائمی نہین بلکہ محض عارضی اُسوقت تک کے لیے ہوتی ہی کہ ملکی صنعت و حرفت کو اسقدر موقع ملے کہ بیرونی مقابلہ کی تاب لاسکے اس لیے اس سے ویسے شدید نقصانات نہین ہوتے جیسے کہ بصورت دیگر ہوتے اور اگر کچھ ہوتے بھی ہین تو انکو آخری کامیابی کی اُمید پر گوارا کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہی لوگ جنکی گھٹی مین آزادی تجارت کا اُصول پڑا ہی جب کسی نوآبادی مین جاتے ہین تو نہایت دورسے اُصول حفاظت مصنوعات کے مؤید ہوجاتے ہین - ہندوستان کی تجارت مین ابتدا سے انگلستان کا شیر کا حصہ رہا ہی - چنانچہ اسوقت بھی جبکہ دوسرے ممالک نے بھی صنعت و حرفت مین بڑی انتہا ترقی کی ہی ہندوستان کی بیرونی تجارت مین انگلستان کا حصہ ۶۰ اور ۷۰ فی صدی کے مابین ہے - چونکہ انگلستان جو صنعتی ترقی کے انتہائی زینہ پر پہونچ چکا ہے فائدہ اسی مین تھا کہ تجارت آزاد ہو اور ہمکو اپنے ملک کے وضع کرنے مین کوئی دخل نتھا اسلئے خواہ نخواہ ہمکو بھی اصول آزادی تجارت پر عمل کرنا پڑا -

ہماری بے بسی اس وجہ سے اور بھی بڑھ گئی کہ انگلستان مین پارلیمنٹری گورنمنٹ ہی اسلئے اور ہر پارٹی خواہ وہ ذی اختیار رہو یا نہو انتخاب کرنے والونکی نظر عنایت کی محتاج ہوتی ہی اگر گورنمنٹ ہماری مدد پر آمادہ ہو تو بھی با اثر کارخانہ دارون کے دباؤ کی وجہ سے سر نہین اٹھا سکتی - چنانچہ حال ہی کے زمانے مین اسکا پورا تجربہ ہوچکا ہے کہ جب ولائتی کپڑے پر آمدنی کی خاطر نہ کہ ہندوستانی مصنوعات کی امداد کی غرض سے ٹکس لگایا گیا تو لنکے شایر کے کارخانہ دارون نے وہ شور و شغب کیا کہ گویا یہ ثابت تھا کہ جس قسم کے باریک کپڑے پر محصول لگایا گیا ہے اُس قسم کا کپڑا ہندوستان مین تیار نہین ہوتا اور اسوجہ سے ولائتی کپڑے کی مانگ پر کوئی اثر نہین پڑسکتا لیکن گورنمنٹ کو دیسی کپڑے پر بغرض رفع شر محصول لگاتے ہی بنا گو کہ اس سے ملکی صنعت و حرفت کو کچھ کم نقصان نہین پہنچا - اسی قسم کے اسباب سے مجبور ہو کر اہل ہند نے سودیشی طریقے کے رواج دینے کی طرف توجہ کی - کیونکہ انھون نے خیال کیا کہ جب ہم قانون کے ذریعے سے اپنی صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے ذرائع نکال نہین سکتے تو ہم خود ہی ایثار نفس سے کام لیکر حتی الامکان اپنے ملک کی چیزون کو ممالک غیر کی مصنوعات پر کیون نہ ترجیح دین سودیشی کا خیال دراصل نہایت قدر کے قابل ہی اور اسکی بنیاد حب وطن پر ہی اور کوئی ملک دنیا مین ایسا نہین ہی جسکی یہ کوشش نہو کہ اپنے یہان کی مصنوعات کو انتہا سے ترقی پر پہونچا یہانتک کہ انگلستان مین بھی جو اسوقت تک اصول آزادی تجارت کا حامی رہا ہی ایک بہت بڑے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یہ کوشش ہونی چاہیے کہ جو اشیا ممالک غیر سے آتی ہین اس قسم کی اشیا ہم بھی پیدا کرسکین اُنپر حفاظتی ٹیکس لگانا اصول اقتصاد کے لحاظ سے مناسب ہوگا سنہ ۱۹۰۹ء ہندوستان مین مختلف قسم کی شراب ایک کرور روپیہ درآمد ہوئین۔ گو شراب پر پہلے سے بھاری ٹیکس ہو لیکن باوجود اسکے ملک اس بارہ مقابلہ کے لیے تیار نہین ہوسکا۔ کھانیکی چیزون پر اگر تفصیل سے نظر ڈالی جاتی ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۹ء مین۔

۱- بسکٹ ...... ــــــ ۲۸۱۴۹۶۵

۲- خرما ــــــ ۴۵۶۹۶۶۸

۳- ڈبون کا دودھ ۲۵۶۱۹۲۲

۴- نمک ۶۸۸۹۹۲۱

۵- شکر ۱۱۵۲۲۶۵۰۱

اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ یہ چیزین ایسی ہین کہ ہمارے ملک مین آسانی کے ساتھ پیدا ہوسکتی ہین مگر اسکے لیے سرمایہ ہنرمندی اور توجہ کی ضرورت ہو۔

بسکٹون کے چند کارخانے دہلی وغیرہ مین قایم ہوے ہین لیکن وہ ابھی تک بیرونی تجارت کا مقابلہ نہین کرسکتے۔ کھجور کی کاشت کے لیے بہت بڑا میدان ہو مگر ابھی تک اس طرف بہت کم توجہ ہوئی ہو۔ جو بات تازہ دودھ مین ہوتی ہو وہ ڈبون کے دودھ مین کب آسکتی ہے اور وہ اسکے علاوہ گران بھی ہوتا ہو۔ کوئی وجہ نہین کہ ہم اس بارے مین بیرونی تجارت کا مقابلہ نہ کرسکین نمک کے بنانے کے کارخانے بھی اگر بڑے پیمانہ پر قائم کیے جایٔن تو کوئی وجہ نہین ہو کہ ہمکو ہر سال اتنی بڑی رقم زندگی کی اس ضرورت کے پورا کرنے کے لیے ممالک غیر کو دینا پڑے۔ شکر کا عجیب قصہ ہو باوجودیکہ بیرونی شکر ہی ایسی چیز ہے جس کے استعمال نہ کرنے کے متعلق اسقدر شور وغل مچایا گیا اور گورنمنٹ نے بھی اسپر محصول محض اس غرض سے لگایا کہ ممالک غیر کی شکر کی تجارت کی ترقی کے لیے جو مالی امداد دیجاتی ہے اسکا ردعمل ہوجائے اور دیسی کارخانون کو مقابلہ کا موقع ملے پھر بھی اس کدوکاوش کا محض یہ نتیجہ ہوا ہو کہ بیرونی شکر کی آمد بجائے گھٹنے کے یوماً فیوماً ترقی کرتی جاتی ہو۔ جیسا کہ اعداد ذیل سے ظاہر ہوگا۔

سنہ ۱۹۰۸ء	سنہ ۱۹۰۹ء	سنہ ۱۹۱۰ء
[illegible]	[illegible]	[illegible]

گویا کہ ہر سال کم و بیش ایک کروڑ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسوقت تک جو متفرق کوششین چھوٹے پیمانے پر شکر کے کارخانے قائم کرنے مین ہوئی وہ محض بے کار ہین اور تاوقتیکہ ہمارے سرمایہ دار اولوالعزمی سے کام لیکر بڑے بڑے کارخانے سائنٹفک اصول پر قایم نہ کرینگے کامیابی کی کوئی اُمید نہین ہو سکتی۔ اگرچہ شکر ضروریات زندگی مین داخل ہے۔ لیکن یہ امر غور طلب ہے کہ آیا مناسب ہوگا کہ دیسی کارخانون ترقی دینے کے لیئے کسی قسم کے حفاظتی ٹیکس لگائے جائین۔

تیسری مد مین دھاتین شامل ہین اور اسمین بڑا حصہ لوہے اور فولاد کا ہے اس بارے مین ہم ابھی مدت تک دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے محتاج رہین گے اور چونکہ ہمارے ہر قسم کے کارخانون کی کامیابی اسی امر پر منحصر ہے کہ ہم آسانی کے ساتھ سستے دامون پر دوسرے ممالک سے کلین منگا سکین اسلیے اُن پر کسی قسم کا حفاظتی ٹیکس لگانا خود ہمارے حق مین مضر ہوگا حال مین مرحوم مسٹر ٹاٹا اور اُنکے جانشینون نے جو عظیم الشان لوہے کا کارخانہ ممالک متوسط مین قایم کیا ہے وہ نہایت اُمید افزا ہے مگر ابھی اسکی نسبت کسی قطعی رائے کا قائم کرنا قبل از وقت ہوگا۔

چوتھی مد ادویہ سے متعلق ہے مختلف مقامات مین چند چھوٹے چھوٹے کارخانے ادویہ کی تیاری کے لیے قایم ہوئے ہین۔ لیکن ابھی تک وہ اسقدر محدود ہین کہ اُن کے لحاظ سے مصنوعات ممالک غیر پر محصول لگانا مناسب نہین سمجھا جا سکتا۔ لیکن اسقدر کہا جا سکتا ہے کہ اسمین ملکی سرمایہ نہایت فائدے کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے۔

پانچوین مد تیلون سے متعلق ہے ہندوستان مین بڑی مانگ مٹی کے تیل کی ہے اور گو برہما اور آسام مین چند بڑے کارخانے قائم ہین لیکن وہ ہماری ضرورتون کے پورا کرنے کے لیے کافی نہین ہین اور بحالت موجودہ بیرونی تجارت کا مقابلہ نہین کر سکتے۔ اسکے علاوہ سال حال مین مٹی تیل پر ایسے کارخانون کی امداد کی نظر سے نہین بلکہ آمدنی سرکاری کے بڑھانیکے خیال سے محصول لگایا جا چکا ہے مگر ابھی تک اندازہ نہین کیا جا سکتا کہ اسکا اثر ملک کی تجارت پر کیا پڑا ہے۔ مٹی کے تیل کے علاوہ السی وغیرہ کا تیل بھی کثرت سے ممالک غیر سے آتا ہے اور یہ بڑے نقصان کی بات تھی کہ تمام اجناس ہمارے ہی ملک سے سستے نرخ پر جاتی تھین اور پھر اُن کا تیل کھینچ کر یہان آتا تھا جو گران بکتا تھا مگر اسمین گذشتہ کے تین سال مین بہت بڑی کمی ہوئی ہے جیسا کہ اعداد ذیل سے ظاہر ہوگا۔

سنہ ۱۹۰۸ء	سنہ ۱۹۰۹ء	سنہ ۱۹۱۰ء
[illegible] لک [illegible] ہزار	[illegible] ہزار	[illegible] لک [illegible] ہزار

[illegible]

[illegible]

یا اور ولایت سے [illegible] ہزار کا مال یہاں آکر فروخت ہوا ملک مین جو چمڑے کے کارخانے قائم ہوے ہین انکی کامیابی سے ظاہر
ہوتا ہے کہ یہان ہر قسم کا چمڑا آسانی کے ساتھ تیار ہو سکتا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چمڑے کی صنعت مین کس قدر
ترقی کی گنجائش ہے اور اسوقت جو ممالک غیر خام مال سے متمتع ہو رہے ہین وہ ہماری کاہلی اور غفلت کا نتیجہ ہے
چمڑے کی برآمد پر محصول لگایا جائے تو ملک مین اس صنعت کی ترقی کی راہین کھل سکتی ہین۔ کانچ کا سامان سنہ ۱۹۰۹ء
مین [illegible] ہزار تک کا درآمد ہوا یہان ابھی تک کانچ بنانے کے بہت کم کارخانے قائم ہوے
ہین اور چونکہ کانچ کا سامان ضروریات زندگی مین داخل نہین ہے اس لئے اسپر بلا تامل حفاظتی
ٹیکس دیسی کارخانون کو ترقی دینے کے لیے لگایا جاسکتا ہے اور ایسی ہی حالت چینی کے
برتنون کی ہے۔ جو بقیمت [illegible] درآمد ہوے۔ کاغذ کے کارخانے بھی صرف آٹھ ہین اور
اور بیرونی تجارت کے مقابلہ کی وجہ سے ابھی تک کافی ترقی نہین کر سکے سنہ ۱۰-۱۹۰۹ء مین [illegible] ہزار
کا کاغذ درآمد ہوا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کاغذ درآمد پر حفاظتی ٹیکس لگایا جاے تو کس قدر
ترقی کی گنجائش ہے۔ سنہ ۱۰-۱۹۰۹ء مین [illegible] سگار سگریٹ درآمد ہوے۔ سنہ ۱۹۱۰ء مین جو ٹیکس
بیرونی تمباکو پر لگایا گیا ہے اسکا اثر دیسی مصنوعات پر اچھا پڑا ہے اور ادنی درجہ کی سگریٹون کا آنا بڑی
حد تک موقوف ہو گیا ہے ضرورت ہے کہ یہ ٹیکس قائم رکھا جاے تا کہ دیسی صنعت کو ترقی کا موقع ملے
اس سال دیا سلائیان بقیمت [illegible] ہزار درآمد ہوئین اگرچہ ملک کا خیال ادھر ایک عرصہ سے متوجہ
ہو چکا ہے اور مختلف مقامات پر دیا سلائی کے کارخانے قایم ہوے ہین لیکن وہ آزادی تجارت
کا مقابلہ نہین کر سکتے اور اسلیے اگر دیا سلائیون کے درآمد پر بھی محصول لگایا جاے تو فائدہ سے
خالی نہوگا یہ بتایا جا چکا ہے کہ تیل بمقدار کثیر باہر سے آتا ہے اور بیرونی تجارت کے اعداد دیکھنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۰-۱۹۰۹ء مین روغن نباتات بقیمت [illegible] کرور باہر گیا اگرچہ سالہاے سنہ ۱۹۰۹ء
و سنہ ۱۹۱۰ء کے اعداد سے مقابلہ کرنے سے جو علی الترتیب [illegible] و [illegible] تھے ظاہر ہوتا ہے
کہ اس تجارت مین بتدریج ترقی ہو رہی ہے لیکن اگر یہ دیکھا جاے کہ ابھی تک کسقدر اجناس
روغن دار باہر جاتے ہین تو معلوم ہوگا کہ ابھی ترقی کے لیے بڑا میدان پڑا ہوا ہے کیونکہ سنہ ۱۰-۱۹۰۹ء
مین ۲۰۶۲۷ [illegible] کی اجناس روغن دار برآمد ہوے پس اگر اجناس روغن دار کی برآمد پر ٹیکس لگایا جاے
تو تیل نکالنے کے کارخانون مین بے انتہا ترقی ہو سکتی ہے یہی وہ سب اشیا ہین جن پر ہماری راے
مین حفاظتی ٹیکس فائدہ کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے اور جو روپیہ ان ٹیکسون سے وصول ہو تعلیم کی توسیع
[illegible] ان صحت کی ترقی انتظامی و عدالتی اختیارات کی علیحدگی اور اس قسم کے دوسرے تجاویز مین

جو حسن انتظام و آسائش و بہبودی رعایا کے لحاظ سے اہم ہین گر روپیہ نہونے کی وجہ سے ملتوی
پڑے ہین اور جب ان پر زور دیا جاتا ہو تو باوجود انکے مفید ہونیکے تسلیم کرنے کے خزانے کے
خالی ہونیکا عذر کیا جاتا ہی۔ صرف ہو سکتا ہے۔ اسمین شک نہین کہ پر دلکشی کا خیال نہایت
دلربا ہے لیکن اسی کے ساتھ اگر اہل ملک پوری طرح پر اس سے فائدہ اُٹھانے پر تیار نہون اور
سرمایہ اور ہنرمندی اور نہایت مستعدی و تندہی کے ساتھ اپنے ملک کی مصنوعات کو ترقی دینے
پر آمادہ نہون تو اسی قدر ملک کی بہبودی کے حق مین خطرناک بھی ہے۔



[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یادگار رام
(یعنی)
عارف کامل سری سوامی رام تیرتھ جی آنجہانی مغفور
کے پانچ اعلیٰ و قابل دید مضامین
مع سوانح حالات و وجہ وفات وغیرہ
(دیباچہ)
از آنریبل منشی گنگا پرشاد صاحب ورما ایڈیٹر ایڈووکیٹ
(و تمہید)
از رائے بہادر لالہ بیج ناتھ صاحب جج پنشنر
(حجم ۲۰۰ صفحات)
قیمت ۱۰/ مجلد ۱۴/

یادگار سرور
(یا)
خمخانۂ سرور
(یعنی)
سرآمد شعرائے حال منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی
کی بہترین نظموں کا مجموعہ مع تصویر و سوانحعمری
(مرتبہ)
منشی دیا نرائن نگم بی۔ اے۔ ایڈیٹر زمانہ
(حجم ۲۰۰ صفحات)
[illegible] قیمت ۱۲ و ۸/

خیالات عزیز
(یعنی)
مجموعہ مضامین مولوی عزیز مرزا صاحب
باضابطہ رجسٹری ہو چکا ہے کوئی صاحب
بلا اجازت پبلشر اسکے چھاپنے یا چھپوانے کا
ارادہ نہ کریں ورنہ بجائے نفع نقصان ہوگا

یادگار قومی
(یعنی)
زمانہ کا مشہور قومی نمبر بابت [illegible]
(جس میں)
ملک کے مشہور ترین انشاپردازوں کے چیدہ دلچسپ
محققانہ مضامین اور چار نادر و نایاب و دلکش
عکسی تصاویر ہیں ۲۰۰ صفحات
(مرتبہ)
منشی دیا نرائن نگم بی۔ اے۔ ایڈیٹر زمانہ
قیمت عہ/

لکھائی
چھپائی
عمدہ
نفیس
محصول ڈاک
ذمہ خریدار

یادگار دربار قیصری
دربار نمبر زمانہ جسکو تمام اخبار
والوں نے شاہی دربار دہلی منعقدہ [illegible]
یادگار قرار دیا ہے
مع تصاویر بافراط
منشی دیا نرائن نگم بی۔ اے۔ ایڈیٹر زمانہ
حجم ۱۲۵ صفحات
قیمت

زمانہ پریس کانپور میں منشی دیا نرائن نگم کے اہتمام سے چھپکر شائع ہوا